خبردار ہوشیار رہو

(قرآنی درس توحید)

نام کی گمراہ کرنے والی کتاب کا جواب

یعنی

توحید کا اجالا، شرک کا اندھیرا

مصنف

خلیفہ مفتی اعظم ہند، مناظر اہل سنت، **علامہ عبدالستار ہمدانی** ''مصروف''

برکاتی، نوری

ناشر

مرکز اہل سنت برکات رضا

امام احمد رضا روڈ، پوربندر، گجرات

Phone : (0286) 2220886 Mob : 9879303557

خبردار ہوشیار رہو

(قرآنی درس توحید)

نام کی گمراہ کرنے والی کتاب کا جواب

یعنی



مصنف

خلیفۂ مفتی اعظم ہند، مناظر اہل سنت، علامہ **عبدالستار ہمدانی** ''مصروفؔ''

برکاتی، نوری

ناشر

مرکز اہل سنت برکات رضا

امام احمد رضا روڈ، پوربندر، گجرات

Phone : (0286) 2220886 Mob : 9879303557

فہرست عنوانات

”ایمان کی جان“

اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ،
ان سا نہیں انسان، وہ انسان ہیں یہ،
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ۔

(از: امام عشق ومحبت ”رضا“ بریلوی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
الصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)

توحید کا اجالا، شرک کا اندھیرا

میرے برادر طریقت جناب عبداللہ بھائی جاز، ساکن موڈاسا (گجرات) نے توحید کتاب سینٹر۔سیکر (راجستھان) سے مطبوعہ کتاب ''**قرآنی درسِ توحید**'' نام کی بھیجی، اور اس کتاب کا جواب لکھنے کی فرمائش کی۔ اس کتاب کا مدیر ''**ابو خالد**'' ہے۔ اور ہندی زبان کا مترجم ''**اعجاز خان**'' ہے۔ پڑھنے والوں کے دھیان کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے کتاب کے سرِ ورق پر بڑے بڑے حرفوں سے ''**خبردار ہوشیار رہو**'' شائع کیا ہے۔

حقیقت میں یہ کتاب خبردار کرنے والی نہیں بلکہ بے خبر اور گمراہ کرنے والی ہے۔ اس کتاب کا مدیر ہر ہر جملے میں مکر وفریب کی چال چل رہا ہو، ایسا محسوس ہوتا ہے، کیوں کہ اس کتاب میں شرک کے رد کے نام پر اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی شان میں توہین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ **توحید کے پردے کی آڑ میں بارگاہ رسالت میں گستاخی کا ڈھنگ اپنایا گیا ہے۔**

اس کتاب میں پڑھنے والوں کو دھوکہ اور فریب دینے کے لیے مندرجہ ذیل طریقہ اپنایا گیا ہے۔

- شرک کے رد میں قرآن مجید کی آیتیں ابتدا میں بیان کر کے شرک کی سنجیدگی بیان کی ہے، مکہ کے کافروں اور مشرکوں کے افعال وارتکاب کا بیان کر کے دور حاضر کے صحیح العقیدہ، ایمان دار مسلمانوں کو ان کے جیسا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- قرآن مجید کی جو آیتیں کافروں اور مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ان آیتوں کو بے

قصور مسلمانوں پر چسپاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

- بتوں (مرتی) کے رد میں قرآن مجید کی آیتوں کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کر کے انھیں بھی بتوں کی طرح عاجز اور لاچار ثابت کرنے کی چال چلی ہے۔
- قرآن مجید کے لفظی معانی کو بنیاد بنا کر اس آیت کے ذریعہ اپنے من چاہے مطلب نکال کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- قرآن مجید کی آیتوں کا غلط ترجمہ کر کے اور آیت کے شان نزول چھپا کر، اپنی رائے کو دخل دے کر، بے معنی مطلب اور بے جا مفہوم بیان کر کے آیت کا صحیح مطلب، مفہوم اور مراد کو ختم کر دیا ہے۔

شرک کا مطلب اور شرک کی تعریف

بے شک شرک گناہ عظیم ہے، شرک کا گناہ اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرے گا۔

قرآن مجید میں ہے کہ

آیت :

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَالِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾

(پارہ نمبر ۵، سورۂ نساء، آیت نمبر: ۱۱۶)

ترجمہ :

اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے نیچے جو کچھ ہے، جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔ (کنز الایمان)

شان نزول یعنی آیت نازل ہونے کی وجہ

تفسیر کی قابلِ اعتماد اور مستند کتابوں میں اس آیت کے شان نزول میں لکھا ہے کہ :

''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت ایک بوڑھے (ضعیف، کمزور) اعرابی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ جس نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! میں بوڑھا ہوں، گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں، لیکن جب سے میں نے اللہ کو پہچانا اور اس پر ایمان لایا، اس وقت سے کبھی میں نے اس کے ساتھ شرک نہیں کیا اور دلیری کے ساتھ گناہوں میں مبتلا نہ ہوا اور ایک پل بھی میں نے گمان نہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے بھاگ سکتا ہوں، تائب ہوں، مغفرت چاہتا ہوں، اللہ کے یہاں میرا کیا حال ہوگا؟''

اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یہ آیت نص صریح ہے، یعنی کھلی دلیل ہے، اس بات پر کہ شرک بخشا نہیں جائے گا، اگر مشرک اپنے شرک پر مرے۔ کیوں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو مشرک اپنے شرک سے توبہ کرے اور ایمان لائے، تو اس کی توبہ اور ایمان بھی مقبول ہے۔

حوالہ :

(۱) **تفسیر روح البیان** (عربی) مفسر: شیخ امام اسماعیل حقی، وفات: ۱۱۳۷ھ، ناشر: دار احیاء التراث العربی، لبنان، **جلد ۲، صفحہ: ۳۴۷**)

(۲) **تفسیر روح المعانی** (عربی) مفسر: علامہ ابو الفضل، شہاب الدین بغدادی، وفات: ۱۲۸۰ھ، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، **جلد نمبر ۳/۲، صفحہ نمبر ۱۴۲**)

(۳) **تفسیر خزائن العرفان** (اردو) **صفحہ نمبر ۱۵۵۔**

آیت اور شان نزول کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے، جب تک شان نزول کا علم نہیں ہوگا، آیت کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آئے گا، اس آیت کی تفسیر اور شان نزول سے ایک بات یہ

ثابت ہوئی کہ **''توبہ'' سے شرک کا گناہ بھی معاف ہوجائے گا۔**

اس آیت میں جو ارشاد ہے کہ **''اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا''** اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص شرک کا گناہ کرے اور ساتھ میں دوسرے گناہ بھی کرے اور وہ توبہ کیے بغیر مر جائے، تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اس کے دوسرے گناہ تو معاف کر دے گا، لیکن شرک کا گناہ معاف نہیں کرے گا۔ اور **اگر اس نے مرنے سے پہلے توبہ کرلی، تو شرک کا گناہ بھی معاف کر دے گا۔**

''اللہ تعالیٰ شرک کا گناہ معاف نہیں کرے گا''، یہ اس صورت میں ہے کہ شرک کا گناہ کرنے والا توبہ نہ کرے، اور بغیر توبہ کیے مر جائے، توبہ کرنے کی صورت میں بے شک اللہ تعالیٰ شرک کا گناہ بھی معاف کر دے گا، اسلام کی آمد سے پہلے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں لوگ شرک کی گندگی میں غرق تھے۔ لیکن جب انھوں نے شرک سے توبہ کی اور اسلام قبول کرکے ایمان لے آئے تو شرک کا گناہ معاف ہونے کے ساتھ ساتھ انھیں بلند مرتبے بھی ملے، ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین میں سے اکثر وہ تھے، جو ایمان لانے سے پہلے شرک کی برائی میں پھنسے ہوئے تھے، **تو کیا ان تمام مقدس ہستیوں کا شرک کا گناہ معاف نہیں ہوا ؟**

بے شک تمام صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں سے جو ایمان لانے سے پہلے شرک میں مبتلا تھے، ان سب کا شرک کا گناہ معاف ہوگیا، یہاں تک کہ قرآن مید میں کئی مقام پر صحابہ کرام کی تعریف بیان کی گئی ہے، کئی حدیثوں میں صحابہ کے بند مرتبوں کا ذکر ہے۔

صرف صحابہ کرام ہی نہیں، بلکہ صحابہ کرام کے بعد آج تک کے اور آج کے بعد قیامت تک کے ہر وہ لوگ، جو شرک سے توبہ کرکے ایمان لائے اور لائیں گے، ان سب کا شرک کا گناہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معاف ہے۔

تو اب ......

قرآن کی آیت کریمہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ﴾ یعنی **''اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا''** کا کیا مطلب ہوگا؟ اگر تفسیر اور شان نزول دیکھے بغیر صرف آیت کے الفاظ کے ترجمہ کو ہی چپک رہیں گے، تو یہی مطلب ہوگا کہ شرک کا گناہ کبھی بھی معاف نہیں ہوگا اور صرف یہی مطلب کو پکڑ رکھنے سے بڑی گڑبڑی پیدا ہوگی۔ اس لیے قرآن مجید کی آیت کی تفسیر اور شان نزول کی روشنی اور رہبری حاصل کرنی ضروری ہے اور تفسیر اور شان نزول کی معلومات ہوگی تو قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کا صاف مطلب یہ سمجھ میں آئے گا کہ **سچی توبہ کیے بغیر شرک کا گناہ معاف نہیں ہوگا اور اگر سچے دل سے توبہ کرلے، تو بے شک شرک کا گناہ بھی معاف ہوجائے گا۔**

شرک کیا ہے؟

آج کل کچھ لوگ اپنے آپ کو توحید کا متوالا اور علمبردار سمجھ کر بات بات میں شرک کا فتویٰ دیتے ہوئے گھومتے ہیں، ان لوگوں کو انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی تعظیم اور محبت کے تعلق سے رشتہ رکھنے والے جائز اور مستحب کام میں بھی شرک نظر آتا ہے۔ اپنے آپ کو توحید کا متوالا سمجھنے کے بھرم میں وہ شرک کی اصطلاح، اقسام، قوانین اور احکام وغیرہ سے مکمل بے خبر اور جاہل ہونے کے باوجود ہر معاملہ کو شرک کے فتوے کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جب ان سے شرک کی اصطلاح اور تعریف پوچھی جاتی ہے، تو ایسی بے تکی اور مضحکہ خیز تشریح کرتے ہیں کہ سننے والے دانتوں تلے انگلیاں دبا لیتے ہیں۔

اس لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ شرک کس بلا کا نام ہے اور شرک کا حکم کب نافذ ہوگا؟ شرک کا گناہ بہت ہی بڑا گناہ ہے، شرک کا گناہ کرنے والا جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا۔ یہ سب باتیں اتنی عام ہوگئی ہیں کہ شرک کے رد میں قرآن مجید کی آیتیں اور حدیثیں یہاں پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں البتہ یہ وضاحت ضروری ہے کہ شرک کا حکم کب نافذ ہوگا۔

شرک کی تعریف

تفسیر خازن میں ہے کہ:

"مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ یَعۡنِیۡ یَجۡعَلُ مَعَهٗ شَرِیۡکًا غَیۡرَهٗ"

ترجمہ :

"اللہ کے ساتھ شرک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس کے غیر کو شریک ٹھہرایا جائے۔"

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس کو کلمہ طیبہ "**لا إلـه إلا الله**" نے باطل ٹھہرایا ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو "**معبود**"، یعنی عبادت کرنے کے لیے لائق ٹھہرانا۔

بہت آسان تعریف :

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشہور کتاب "**اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ**" میں فرماتے ہیں کہ :

"بالجملہ شرک سہ قسم است۔ در وجود، در خالقیت، و در عبادت۔"

(حوالہ: اشعۃ اللمعات، جلد ا، صفحہ:۶۲)

ترجمہ :

"شرک تین طرح پر ہوتا ہے، ایک تو یہ کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو واجب الوجود ٹھہرایا جائے، دوسرا یہ کہ اللہ کے سوا کسی کو حقیقتاً خالق جانے یا کہے، اور تیسرا یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرے یا اسے عبادت کے لائق سمجھے۔"

اس عبارت کا خلاصہ اچھی طرح سمجھنے کے لیے نیچے لکھے ہوئے نقاط کو خوب دھیان سے پڑھ کر سمجھ کر یاد کر لیں:۔

- واجب الوجود یعنی اس کا وجود ضروری ہے اور **عدم محال** یعنی نہ ہونا **ناممکن** ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور کمالات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔
- اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور کمالات میں دوسرے سے بے نیاز اور غنی بالذات ہے۔ یعنی وہ بے پرواہ یعنی کسی کا محتاج نہیں اور سارا عالم اس کا محتاج ہے۔ جو اس کے خلاف عقیدہ رکھے وہ مشرک ہے۔
- صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے، تو جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسروں کو عبادت کے لائق سمجھے، وہ مشرک ہے۔

یہاں تک ہم نے شرک کی بہت ہی مختصر تعریف بیان کی ہے۔ شرک اور شرک کے ساتھ تعلق رکھنے والی باتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم اللہ تعالیٰ کی توحید کے تعلق سے ضروری عقیدوں کی مفصل معلومات حاصل کریں۔

توحید الٰہی

جو شخص کلمہ طیبہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" کا اقرار کر کے مسلمان کہلاتا ہے اور اسلام کا ماننے والا مومن ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے تعلق سے ضروری معلومات حاصل کرے اور اسے سچے دل سے مانے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید کے تعلق سے ضروری عقیدے

- اللہ ایک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں، نہ احکام میں، نہ اسماء میں۔
- واجب الوجود ہے۔ یعنی اس کا وجود ضروری اور عدم محال یعنی نہ ہونا **غیر ممکن** ہے۔

- قدیم، ازلی، باقی، ابدی یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔
- جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم، ازلی، باقی اور ابدی ہے، اسی طرح اس کی تمام صفتیں بھی قدیم، ازلی، باقی اور ابدی ہیں۔
- اللہ تعالیٰ نہ کسی کا باپ ہے، نہ کسی کا بیٹا اور نہ اس کے لیے بیوی ہے۔
- وہ "**حَـيٌّ**" ہے، یعنی خود زندہ ہے اور سب کی زندگی اس کے اختیار میں ہے، جسے چاہے زندہ کرے، رکھے اور جب چاہے موت دے۔
- ہر ممکن پر وہ "**قَادِرٌ**" ہے، کوئی بھی ممکن اس کی قدرت سے باہر نہیں۔
- اللہ تعالیٰ "**غَنِیٌّ**" یعنی بے نیاز ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔
- وہ ہر چیز کا "**مَالِکٌ**" اور "**خَالِقٌ**" یعنی بنانے والا ہے، اس سے مراد حوادث ہیں، یعنی وہ ہر چیز بنائی جو پہلے نہ تھی اور بعد میں وجود میں آئی۔ یعنی پیدا ہوئی اور باقی نہ رہیں گی یعنی فنا ہو جائیں گی۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی تمام صفات ہی غیر حادث ہیں۔ یعنی ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ باقی رہیں گی۔
- وہ "**سَمِیْعٌ**" (سننے والا) اور "**بَصِیْرٌ**" (دیکھنے والا) ہے۔
- حیات، قدرت، سننا، دیکھنا، کلام، علم (جاننا)، ارادہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ ہیں۔ مگر اس کا سننا، دیکھنا اور کلام کرنا کان اور زبان سے نہیں، کیوں کہ کان، آنکھ اور زبان یہ سب اعضائے جسم ہیں۔ **اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔**
- ہر پست سے پست آواز کو سنتا ہے، ہر باریک سے باریک کو دیکھتا ہے، یعنی **ہر موجود کو دیکھتا اور سنتا ہے۔**
- اللہ تعالیٰ کا کلام بھی اس کی دیگر صفات کی طرح قدیم (ہمیشہ سے) اور غیر حادث یعنی باقی

(ہمیشہ رہنے والا) ہے۔

- اللہ تعالیٰ کا کلام آواز سے پاک ہے، اور یہ قرآن شریف جس کو ہم ہماری اپنی زبان سے تلاوت کرتے ہیں، مصاحف میں لکھتے ہیں، یہ قرآن بھی اللہ تعالیٰ کا بغیر آواز کا قدیم کلام ہے۔ ہماری آواز حادث ہے، لہذا ہم نے جو پڑھا، وہ قدیم اور ہمارا پڑھنا حادث، ہمارا لکھنا حادث اور جو لکھا وہ قدیم، ہمارا سننا حادث اور جو سنا وہ قدیم، ہمارا حفظ کرنا حادث اور جو ہم نے حفظ کیا وہ قدیم۔
- اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو گھیرنے والا (محیط) ہے۔ یعنی ازل سے ابد تک (شروع سے آخر تک) کی ہر چیز کو جانتا تھا، جانتا ہے اور جانے گا۔ چیزیں بدلتی ہیں لیکن اس کا علم نہیں بدلتا۔ اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں، چھپی ہوئی نہیں، اللہ تعالیٰ کے علم کی کوئی انتہا (حد) نہیں، **دلوں میں جو خیال آتا ہے، اس کی بھی اللہ تعالیٰ کو خبر ہے۔**
- اللہ تعالیٰ غیب اور شہادت سب کو جانتا ہے۔ یعنی پوشیدہ اور نظر آنے والے سب کو جانتا ہے۔ **علم ذاتی صرف اسی کی صفت ہے۔** اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا بھی علم ذاتی نہیں۔ ذاتی علم چاہے وہ غیب کا ہو یا شہادت کا یعنی نظر آنے والے کا ہو، اللہ تعالیٰ کے کسی غیر کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔ **ذاتی علم کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے دیے بغیر خود جاننا۔**
- اللہ تعالیٰ "**رَزَّاقٌ**" ہے، یعنی حقیقت میں روزی پہنچانے والا وہی ہے۔
- ہر شخص کی بھلائی اور برائی اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی علم سے مقدر فرمادی ہے، یعنی ہر شخص جیسا کرنے والا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے وہی لکھ دیا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری تقدیر میں جو لکھ دیا ہے، وہ ہم کو کرنا پڑتا ہے، **بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے، ویسا ہی اس نے لکھ دیا ہے۔**

- اللہ تعالیٰ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے، کیوں کہ: ■ کسی کو اس پر قابو نہیں۔ ■ اسے اپنے ارادے سے بعض رکھنے والا کوئی نہیں۔ ■ اسے نیند اور اونگھ نہیں آتی۔ ■ تمام جہان پر نظر رکھنے والا۔ ■ نہ کبھی تھکے۔ ■ تمام عالم کا پالنے والا۔ ■ ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ ■ اسی کی رحمت ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا ہے۔ ■ اسی کے لئے بڑائی اور عظمت ہے۔ ■ ماں کے پیٹ میں بچے کی جیسی چاہے ویسی صورت بنانے والا ہے۔ ■ گناہوں کا بخشنے والا۔ ■ توبہ قبول کرنے والا۔ ■ قہر اور غضب فرمانے والا۔ ■ اس کی پکڑ نہایت سخت ہے۔ ■ اس کے رحم کے بغیر کوئی بھی اس کی پکڑ سے چھوٹ نہیں سکتا۔
- اللہ تعالیٰ چاہے تو ■ چھوٹی چیز کو وسیع کردے۔ ■ وسیع کو سمیٹ دے۔ ■ جس کو چاہے بلند کردے اور جس کو چاہے پست کردے۔ ■ ذلیل کو عزت دیدے اور عزت والے کو ذلیل کردے۔ ■ جس کو چاہے راہ راست پر لائے اور جس کو چاہے سیدھی راہ سے الگ کر دے۔ ■ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی نزدیکی دیدے اور جسے چاہے مردود کردے۔ ■ جسے جو چاہے دیدے اور جس سے جو چاہے چھین لے۔ ■ جو کرتا ہے اور کرے گا عدل اور انصاف ہے۔ ظلم سے پاک ہے۔ ■ ہر کمال اور خوبی کا جامع ہے، اور ہر اس چیز سے جس میں عیب اور نقصان ہو، اس سے پاک ہے۔ یعنی عیب اور نقص کا اس میں ہونا محال ہے۔ بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو، نہ نقص وعیب، اس کا بھی اس میں ہونا محال ہے۔ جھوٹ، دغا، خیانت، ظلم، جہالت، بے علمی، بے حیائی وغیرہ عیبوں کا اس میں ہونا قطعاً محال ہے۔
- قیامت کے دن کا مالک ہے، مومنوں کو اپنے کرم سے جنت اور کافروں کو اپنے عدل سے جہنم میں داخل کرے گا۔ اللہ کا وعدہ بدلتا نہیں۔
- ہر جاندار کو مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ کرے گا، اچھے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ اور انعام دے گا اور برے کام کرنے والوں کو سخت سزا دے گا۔

عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کیوں ہے؟

صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی عبادت کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرنا گناہِ عظیم اور شرک ہے۔ کیوں کہ جس کی عبادت کی جاتی ہے، اسے معبود سمجھا جاتا ہے۔ معبود یعنی جس کی عبادت کی جائے۔ اور معبود وہی ہوسکتا ہے، جس میں ۲۷ رستائیس صفتیں اور شان حسب ذیل ہوں:

تفسیر کی کتاب کا ایک حوالہ دیکھیں :

(۱) قدرت کاملہ والا ہو۔

(۲) علم تامّہ والا ہو، ہر ذرے کی خبر ہو، کوئی چیز اس سے چھپ نہ سکے۔

(۳) بطشِ شدید یعنی سخت پکڑ والا ہو۔

(۴) قبض مضبوط یعنی مضبوط قابو والا ہو۔

(۵) خالق کائنات، یعنی پوری کائنات کا پیدا کرنے والا ہو۔

(۶) مالک عالمین ہو۔

(۷) اولیت والا ہو۔

(۸) کمال والا ہو۔

(۹) غنا والا یعنی بے نیاز ہو۔

(۱۰) عطا والا ہو۔

(۱۱) اختیار والا ہو۔

(۱۲) صفات والا ہو۔

(۱۳) غیر منتہی، یعنی جس کی کوئی انتہاء نہ ہو۔

(۱۴) کسی کا محتاج نہ ہو۔

(۱۵) لازوال یعنی کبھی ختم نہ ہو۔

(۱۶) ربوبیت والا یعنی پالنہار ہو۔

(۱۷) حکمت والا ہو۔

(۱۸) وحدت والا، یعنی ایک ہو۔

(۱۹) ہر شان میں اکمل، یعنی کامل ہو یعنی کسی قسم کی کوئی کمی نہ ہو۔

(۲۰) ہر چیز کا ذاتی مالک ہو۔

(۲۱) ہر صفت میں یکتا لاشریک یعنی اکیلا، انوکھا ہو، کہ جس کا کوئی شریک نہ ہو۔

(۲۲) ہر بلندی اور پستی پر بادشاہی والا ہو۔

(۲۳) ہر فرد یعنی سب پر اس کی حکمرانی ہو۔

(۲۴) ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ﴾ یعنی ''**اس کے جیسا کوئی نہیں**'' کی شان والا ہو۔

(۲۵) موت دے سکے۔

(۲۶) نیست کو ہست یعنی عدم کو وجود، معدوم کو موجود یعنی مٹے ہوئے کو حاضر اور مردوں کو زندہ کر سکے۔

(۲۷) مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کائناتِ شمس وقمر کو چلا سکے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس ذات میں یہ صفتیں ہوں، بس وہی ''**اِلٰـهٗ**''، ہو سکتا ہے۔ جس میں یہ صفتیں نہ ہوں، وہ کسی کا ''**معبود**'' نہیں بن سکتا۔ نہ اس کو سجدہ جائز، نہ اس کی عبادت مناسب اور جائز ہے۔ اور یہ صفتیں صرف ''اَللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ'' میں ہی ہے۔

(حوالہ: تفسیر نعیمی، پارہ ۱۷، سورۂ انبیاء، صفحہ نمبر: ۹۲/۹۱)

حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ جیسی پاک ذات اور کمال صفت والا نہ کوئی تھا، نہ کوئی ہے اور نہ کوئی

ہوگا، بلکہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی مقدس ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی عبادت کرنا گناہ عظیم اور شرک ہے۔

سنبھلنے کا مقام

اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید اور شرک کے تعلق سے ضروری عقیدے بیان ہوئے، جس کو جان لینے کے بعد اب یہ جاننا ضروری ہے کہ ان عقیدوں کی خلاف ورزی کب ہوگی اور ایسا کرنے پر کیا حکم لگے گا؟

⊙ جو شخص اللہ تعالیٰ کی صفتوں کو مخلوق (پیدا کی ہوئی) مانے یا حادث (فنا ہونے والی) مانے، گمراہ اور بے دین ہے۔

⊙ جو شخص عالم میں سے کسی چیز کو قدیم (ہمیشہ سے ہونا) مانے، یا اس کے حدوث (ختم) ہونے میں شک کرے، کافر ہے۔

⊙ اللہ تعالیٰ کا علم غیب اور علم شہادت ذاتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لیے ذرہ برابر بھی ذاتی علم مانے یا ثابت کرے، کافر ہے۔

⊙ جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اس کی ذات اور صفت میں غنی بالذات (بے نیاز) مانے یا مستحق عبادت یعنی عبادت کے لائق مانے، وہ مشرک ہے۔

⊙ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے کمالات کو ذاتی مانے، وہ مشرک ہے۔ چاہے یہ کمالات علم، طاقت، قدرت، حیات، دیکھنا، سننا، حکومت، قابو سے تعلق رکھتے ہوں۔

⊙ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو ذاتی نہ مانے، بلکہ عطائی یعنی کسی کی عطا کی ہوئی مانے، وہ شخص مشرک ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی بھی صفت اور کمال عطائی اور غیر سے حاصل کی ہوئی نہیں۔

شرک کے نام سے اتنا زیادہ کیوں ڈرایا جاتا ہے؟

موجودہ زمانے میں ہر جگہ بس ایک ہی بات سننے میں آتی ہے کہ **''یہ کام کرنا شرک ہے''**، **''فلاں کام شرک ہے''** بس جہاں جاؤ، جہاں دیکھو، یہی دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ مولانا جیسی شکل و صورت والے کچھ لوگ عوام الناس کو مخاطب کر کے شرک کے عنوان پر نصیحت کرتے ہیں، **بلکہ یوں کہیے کہ شرک کے فتوے کی مشن گن چلا رہے ہیں۔** شرک کے فتوے کے گولے برس رہے ہیں اور بے شمار **بے قصور لوگ اس مذہبی دہشت گردی کا شکار ہو رہے ہیں۔**

اس تشدد کا نتیجہ یہ آیا کہ ہر مومن شرک کے نام سے کانپتا ہے۔ شرک کے فتوے کی گولی مجھے نہ لگ جائے، اس خوف سے کانپتا ہے۔ کیوں کہ ہر سمت سے **شرک، شرک**...... **اور شرک** ہی کے فتوے کے گولے برس رہے ہیں۔ ہر جائز کام پر، نبی کی عظمت اور محبت کے عقیدے اور کاموں پر، اولیائے کرام کی عقیدت کے کاموں پر، صدیوں سے رائج بزرگانِ دین کے طریقے پر، اندھا دھند شرک کے فتوے کے گولا بارود کا شدید حملہ ہے۔

دورِ حاضر میں جس طرح جہاد کا نام لے کر بلکہ جہاد کی آڑ میں دہشت گردی کا زہر پھیلایا جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح توحید کا نام لے کر شرک کے فتوے کا ظلم وستم ڈھایا جاتا ہے۔ سیدھے سادے مسلمان کو ڈرایا جاتا ہے کہ یہ کام مت کرو، اگر تم نے یہ کام کیا، تو تم نے اللہ کی توحید کے خلاف کر کے ''شرک'' کیا اور اس کے نتیجے میں تم ''مشرک'' ہو گئے۔ یعنی تمھارا ایمان تباہ ہو گیا۔ تم نے شرک کا ایسا بھیانک جرم کیا ہے، جو کبھی معاف نہیں ہوگا۔ اپنے اس قول کی تائید وثبوت میں قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کو پیش کرتے ہیں کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ (پارہ نمبر ۵، سورہ نساء، آیت نمبر ۱۱۶)

اس آیت کا ترجمہ بھی اس طرح بیان کریں گے کہ **''اللہ کے یہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے۔''**

ہو گیا کام !! قرآن کی آیت اور اس کا ترجمہ سن کر اَن پڑھ مسلمان کانپنے لگتا ہے اور شرک کیا ہے؟ **شرک کے اصول وقوانین کیا ہیں؟ شرک کے کتنے اقسام ہیں؟ شرک کا حکم کب نافذ ہوگا؟ میرا یہ کام شرک کے حکم میں آتا ہے یا نہیں؟** اس تمام ضروری باتوں سے انجان مسلمان صرف اپنے ایمان کے تباہ ہو جانے کے خوف سے کانپنے لگتا ہے۔ میرا یہ کام حقیقت میں شرک ہے یا نہیں؟ اس بات کی معلومات حاصل کرنے کی پرواہ کیے بغیر اس کے سامنے قرآن مجید کی مذکورہ آیت پڑھی جانے کو ہی سب کچھ سمجھ کر اور قرآن مجید کی آیت کا ترجمہ اور اس کی تشریح بتانے والی کی بات پر بھروسہ کر لیتا ہے، اور صدیوں سے ملت اسلامیہ میں رائج مستحب اور جائز کاموں کو شرک سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے، بلکہ دوسروں کو بھی اس کام کو شرک کہہ کر منع کرتا ہے؟

یہ سب کیوں کیا جاتا ہے؟ اور کیوں ہوتا ہے؟ صرف نفسیاتی (**Psychological**) تاثر کا بھرپور استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ بات متفق علیہ ہے کہ آدمی جس کو سب سے زیادہ چاہتا ہے اس کو کبھی گنوانا نہیں چاہتا ہے، بلکہ اس کے فوت ہونے کے صرف خیال سے ہی بے چین ہو جاتا ہے اور گھبرا جاتا ہے۔ اس کو بچانے کی وہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔

ایک مسلمان کے لیے اس کا ایمان سب سے عزیز ہوتا ہے۔ وہ مر جانا گوارا کر سکتا ہے، لیکن اس کا ایمان برباد ہو جائے، یہ کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ایک مسلمان کے اس جذبے کا منافقین لوگ بھرپور ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، بلکہ غلط استعمال کرتے ہیں، اس بات کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ایک مثال پیش ہے:

ہر آدمی کو اپنی جان عزیز ہوتی ہے۔ اپنی جان بچانے کے لیے سب کچھ کر بیٹھتا ہے، اور ہر اس کام سے ڈرتا ہے جس سے جان چلی جانے کا خطرہ ہو جاتا ہے۔ اگر کسی سے کہا جائے کہ لیموں (Lemon) مت کھانا، کیوں کہ لیموں کے کھانے سے تمھیں بخار (Fever) آ جائے گا۔ اس

تنبیہ پر سننے والا سنجیدگی سے توجہ نہیں دے گا بلکہ سنا، نا سنا کردے گا اور ارے یار کچھ نہیں ہوگا اور کچھ ہوگا بھی تو یہی تو ہوگا کہ معلولی سا بخار آئے گا، مرتو نہیں جاؤں گا، لیکن اس سے اگر یہ کہا جائے کہ لیموں کھانے سے ایڈز (Aids) ہوجائے گا، تو یہ سن کر وہ کانپ اٹھے گا۔ لیموں کھانا تو دور کی بات رہی، لیموں کو ہاتھ میں لینے سے بھی ڈرے گا، اس لیے کہ وہ لیموں کو جان لیوا سمجھ رہا ہے، لیموں کھانے سے ایڈز ہوجائے گا اور ایڈز ہوگیا تو سمجھو کہ مرگیا اس خیال سے وہ لیموں کی طرف نظر کرنا بھی نہیں چاہے گا۔

ٹھیک اسی نفسیات (Psycological) طریقے کو شرک کے غلط اصولوں کی نشرو اشاعت کے لیے منافقوں نے اپنایا ہے۔ ہر بات میں شرک کے اندیشہ کی راگنی آلاپتے ہیں اور انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی عظمت، عقیدت اور محبت کے جذبات کو مسلمانوں کے دلوں سے ختم کرنے کے لیے بات بات میں **''شرک ہوجائے گا، ایمان ختم ہوجائے گا'' اور ''شرک ہوگیا ایمان برباد ہوگیا''** کے نعرے لگاتے ہیں۔ سیدھا سادہ، بے علم، جاہل مسلمان ان کے جال میں پھنس جاتا ہے اور **ایمان بچانے کے لالچ میں ہی ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔**

اس لیے ضروری ہے کہ شرک کے عنوان کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔

شرک کے دو اقسام: شرک اکبر اور شرک اصغر

عام طور پر شرک ایک ہی معنی اور مطلب کے لیے بولا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا یا اللہ تعالیٰ کی جو ذاتی صفتیں ہیں، ایسی ذاتی صفتیں یا کوئی ایک صفت بلکہ ان ذاتی صفتوں میں سے ایک ذرہ برابر کسی کے لیے ذاتی صفت ماننا شرک ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مستحق عبادت (پرستش کے لائق) ٹھہرانا بھی شرک ہے۔ یہ ہوئی شرک کی مختصر تعریف۔

اب شرک کے تعلق سے تفصیلی گفتگو کریں:

شرک کی حدیثوں میں دو قسمیں بتائی گئی ہیں:

- **شرک کی پہلی قسم :**

شرک اکبر یعنی ''بڑا شرک''

اس کا دوسرا نام **''شرک جلی''** یعنی **''کھلا شرک''** ہے۔

- **شرک کی دوسری قسم :**

شرک اصغر یعنی ''چھوٹا شرک''

اس کا دوسرا نام **''شرک خفی''** یعنی **''چھپا شرک''** ہے۔

شرک اکبر یعنی شرک جلی

■ **وجود میں شرک :**

جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب الوجود (یعنی ہمیشہ سے ہونا اور ہمیشہ رہنا) ٹھہرائے، وہ مشرک ہے۔

■ **خالقیت میں شرک :**

جو شخص اللہ کے سوا کسی کو حقیقتاً خالق (بنانے والا، پیدا کرنے والا) جانے، یا کہے، یا مانے، وہ مشرک ہے۔

■ **عبادت میں شرک :**

صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو مستحق عبادت مانے، یا ٹھہرائے، یا اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرے، وہ مشرک ہے، جیسے کہ بت پرست وغیرہ۔

■ **صفات میں :**

اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی صفتیں ہیں، وہ ذاتی ہیں، جیسے علیم یعنی علم والا، قادر یعنی قدرت والا اور اختیار والا، رزاق یعنی روزی دینے والا، وغیرہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے ایک ذرہ پر قدرت، یا اختیار، یا علم ثابت کرنا، اگر بالذات ہو یعنی خود اپنی ذات سے ہو تو، یہ شرک ہے۔

■ **مختلف انداز سے :**

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو علم، قدرت یا کسی اختیار میں اللہ تعالیٰ کے برابر، یا بڑھ کر ماننا، یا وہ ضروری عقیدے جو پچھلے صفحات میں توحید کے تعلق سے بیان کیے گئے، ان عقیدوں کے خلاف عقیدہ رکھنا بھی شرک ہے۔

یہ ہوئی شرک کی مختصر تعریف، شریعت کی اصطلاح میں جب مطلقاً یعنی عام طور پر شرک بولا جاتا ہے، تو اس سے مراد یہی ''**شرک اکبر**'' یا ''**شرک جلی**'' ہی ہوتا ہے۔ یہی شرک توحید الٰہی کا منافی ہے۔ جس کی وجہ سے ایمان برباد ہو جاتا ہے اور ایسا کرنے والا اگر توبہ کیے بغیر مر گیا، تو ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں رہے گا۔

شرک اصغر یعنی شرک خفی

شرک کا اطلاق (لاگو ہونا) کبھی مختلف معانی میں بھی ہوتا ہے، اس کو ''**شرک اصغر**'' یا ''**شرک خفی**'' یعنی چھپا ہوا شرک کہتے ہیں، شرک اصغر یعنی شرک خفی یہ ہے کہ بندہ اپنی عبادت یا نیکی کے کام میں اخلاص نہ کرے، بلکہ ریا کاری کرے، یعنی دوسروں کو دکھانے کے لیے کرے، تاکہ لوگ اسے نیک ایمان دار، عبات گزار سمجھیں، اس کی عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو، بلکہ دکھاوا کرنے کے لیے ہو، ریا کاری پر مشتمل عبادت ہرگز قبول نہیں ہوتی، بلکہ ٹھکرا دی جاتی ہے۔ ریا کاری کی نیت سے عبادت کرنے والا ثواب پانے کے بجائے عذات کا حق دار ہوتا ہے۔

ریا کاری کی عبادت کی حدیث شریف میں سخت الفاظ میں مذمت کی گئی ہے، بلکہ اسے ''**شرک خفی**'' کہا گیا ہے، چند حدیثیں خدمت میں پیش ہیں :

حدیث نمبر : ۱

''أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدُ اللّٰهِ الْحَافِظ وَ مُحَمَّدُ بْنُ مُوْسٰى قَالَا نَا أَبُو الْعَبَّاسُ الْأَصَمُ نَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِي بْنُ عَفَّانُ نَا زَيْدُ بْنُ الْحَبَابُ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زَيْدُ الْبَصْرِيُ نَا عَبَادَةُ بْنُ نَسِى الْكُنْدِيُ عَنْ شَدَّادِ بِنِ أَوْسِ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَيْهِ وَهُوَ فِيْ مُصَلَّاه يَبْكِيْ، فَقِيْلَ لَهُ مَا يُبْكِيْكَ ؟ فَقَالَ : حَدِيْثٌ ذَكَرْتُهٗ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقِيْلَ لَهٗ وَمَا هُوَ ؟ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنِّى أَتَخَوَّفُ عَلٰى أُمَتِى مِنْ بَعْدِي الشِّرْكَ وَ الشَّهْوَةَ الْخَفِيَّةَ، قُلْتُ : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَوَ تُشْرِكُ أُمَتُكَ مِنْ بَعْدِكَ ؟ قَالَ : يَا شَدَّادُ أِنَّهُمْ، لَا يَعْبُدُوْنَ شَمْسًا وَّ لَا قَمَرًا وَّ لَا حَجَرًا وَّ لَا وَثْنًا وَلٰكِنْ يُرَاؤُوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ، قُلْتُ : يَا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَمَا الشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ ؟

قَالَ : يَصْبَحُ أَحَدُهُمْ صَائِمًا فَتَعَرَضُ لَهٗ شَهْوَةٌ مِنْ شَهْوَاتِهٖ فَيُوَاقِعُ شَهْوَتَهٗ وَيَدَعُ صَوْمَهٗ.''

حوالہ :

(۱) شعب الایمان، از امام ابی بکر احمد بن الحسین البیہقی ۴۵۸ھ، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، جلد ۵، حدیث نمبر ۶۸۳۰، ص ۳۳۳

(۲) کنز العمال فی سنن الأقوال و الافعال، از علامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین (۹۷۵ھ)۔ ناشر: ایضاً، جلد ۳، حدیث نمبر ۷۴۸۶، ص ۱۹۰

حدیث کا ترجمہ :

حضرت عبادہ بن نسی کندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور حضرت شداد بن اوس اپنے مصلے پر بیٹھے ہوئے رو رہے تھے، حضرت شداد نے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو رلایا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ اس حدیث کو یاد کر کے رو رہا ہوں، جس کو میں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا ہے، ان سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی حدیث ہے؟ حضرت شداد بن اوس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ :

”بے شک میں خوف کرتا ہوں میری امت پر کہ میرے بعد وہ شرک اور چھپی ہوئی شہوت میں مبتلا ہوگی، عرض کی میں نے یا رسول اللہ! کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک کرے گی؟ حضور نے فرمایا اے شداد وہ سورج، چاند، پتھر اور بت کی عبادت نہیں کرے گی بلکہ وہ اپنے عملوں کو دکھائے گی۔

میں نے عرض کی چھپی ہوئی شہوت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ صبح کرے گا ان میں سے کوئی روزہ دار اور آئے گی اس پر شہوت میں سے کوئی شہوت، اور وہ مبتلا ہوگا شہوت میں اور چھوڑ دے گا روزہ۔“

حدیث نمبر : ۲

”أَخْبَرَنَا عَلِیُّ بْنُ أَحْمَدَ بْنُ عَبْدَانَ نَا اَحْمَدُ بْنُ عُبَیْدِ بْنُ شَرِیْكٍ نَا ابْنُ اَبِی مَرْیَمَ نَا اَبِی الزِّنَادِ وَ حَدَّثَنِیْ عَمْرُوْ بْنُ اَبِی عَمْرٍو عَنْ عَاصِمِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ قَتَادَةِ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِیْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :

اَنْ أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلَیْكُمُ الشِّرْكَ الْأَصْغَرِ

قَالَ : وَمَاالشِّرْكُ الْأَصْغَرُ؟

قَالَ : اَلرِّیَاءُ اِنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ : یَوْمَ یَجَازِی الْعِبَادُ بِأَعْمَالِهِمْ اِذْهَبُوْا إِلٰی الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تَرَاؤُوْنَ فِی الدُّنْیَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْا عِنْدَهُمْ جَزَاءً أَوْ خَیْرًا“

حوالہ : شعب الایمان، از: امام ابی بکر احمد بن الحسین البیہقی ۴۵۸ھ، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، جلد: ۵، حدیث نمبر: ۶۸۳۱، صفحہ: ۳۳۳

حدیث کا ترجمہ :

”حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”خوف کرنے والی جو چیزیں ہیں، ان میں سب سے زیادہ ڈرنے والی چیز جسکا میں تم پر خوف کرتا ہوں، وہ شرک اصغر ہے۔ عرض کیا، کہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ریا کاری۔“

بیشک اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ آج کے دن بندوں کو اپنے عملوں کا بدلہ دیا جا رہا ہے۔ جاؤ، ان کے پاس جن کو دکھانے کے لئے دنیا میں عمل کرتے تھے اور دیکھو، کیا تم ان کے پاس کوئی بدلہ اور کوئی بھلائی پاتے ہو؟“

حدیث نمبر : ۳

أَخْبَرَنَا أَبُوْ سَعِیْدُ الْمَلَایْنِیُ أَنَا أَبُوْ أَحْمَدَ بْنَ عَدِیُ نَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَیْنِ بْنِ مُکَرَّمٍ نَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانِ نَا أَبُوْ أَحْمَدُ الزُّبَیْرِیُ نَا کَثِیْرُ بْنُ زَیْدٍ عَنْ رَبِیْعِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِیْ سَعِیْدٍ عَنْ أَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ : کُنَّا نَتَنَاوِبُ النَّبِیَّ ﷺ نَبِیْتُ عِنْدَهُ فَذَکَرَهُ وَ قَالَ فِیْهِ أَخَافُ عَلَیْكُمْ أَخْوَفُ مِنَ الْمَسِیْخِ الشِّرْكِ الْخَفِیِّ أَنْ یَقُوْلُ الرَّجُلُ یَعْمَلُ لِمَکَانِ الرَّجُلِ .

حوالہ: شعب الایمان، از: امام ابی بکر احمد بن الحسین البیہقی ۴۵۸ھ، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، جلد: ۵، حدیث نمبر: ۶۸۳۲، صفحہ: ۳۳۴

حدیث کا ترجمہ:

"حضرت ربیع بن عبد الرحمٰن بن عدی سعید سے روایت ہے کہ اور وہ اپنے والد سے اور ان کے والد ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں، کہ ہم رات کے وقت باری باری خدمت اقدس میں رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رات کو میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا تب حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ **میں تم پر خوف کرتا ہوں ایسا خوف جو نہایت برا ہے اور وہ شرک خفی ہے یعنی چھپا ہوا شرک۔ اور وہ یہ ہے کہ آدمی نے آدمی کو دکھانے کے لیے عمل کیا۔"**

حدیث نمبر: ۴

"عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلشَّھْوَۃُ اَلْخَفِیَّۃُ وَالرِّیَاءُ شِرْکٌ"

حوالہ: کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، المؤلف: علامہ علاء الدین علی متقی حسام الدین، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، جلد: ۳، حدیث نمبر: ۷۴۸۳، صفحہ: ۱۹۰

حدیث کا ترجمہ:

"حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ چھپی شہوت اور ریاکاری شرک ہے۔"

شرک خفی یعنی چھپا ہوا شرک جس کو شرک اصغر کہتے ہیں، اس کے رد میں ہم نے کل چار حدیثیں یہاں بیان کی ہیں، حالانکہ اس قسم کی کئی حدیثیں موجود ہیں، جن کو یہاں نقل نہیں کرتے، البتہ صرف اس کا حوالہ درج کر دیتے ہیں۔

- ■ کتاب الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر، مصنف: امام جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)
  - ☆ جلد نمبر ۱، حدیث نمبر ۴۹۳۲، صفحہ نمبر ۳۰۳ اور
  - ☆ جلد نمبر ۱، حدیث نمبر ۴۹۶۰، ۳۰۵
- ■ کتاب کنز العمال فی سنن اقوال والافعال، مولف: علامہ علاء الدین بن حسام الدین، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان
  - ☆ جلد نمبر ۳، حدیث نمبر ۷۴۷۴، صفہ نمبر ۱۸۹
  - ☆ جلد نمبر ۳، حدیث نمبر ۷۴۷۵، صفحہ نمبر ۱۸۹
  - ☆ جلد نمبر ۳، حدیث نمبر ۷۴۹۹، صفحہ نمبر ۱۹۱

ضروری نکتہ

ریاکاری یعنی لوگوں کو دکھانے کے لیے جو عمل کیا جاتا ہے، اس کو حضور اقدس ﷺ نے شرک فرمایا، لیکن شرک ایسا نہیں کہ جس سے ایمان ختم ہو جائے، اسی لیے اس شرک کو **"شرک خفی"** یعنی **"چھپا ہوا شرک"** فرمایا۔ جس کو شرعی اصطلاح میں **"شرک اصغر"** کہا جاتا ہے۔

شرک اصغر کا عمل بے شک قابل مذمت ہے، ایسا کرنے والا سخت سے سخت عذاب کا حق دار ہے، اس کا عمل دربار الٰہی میں ناقابل قبول ہے، اس کا عمل اس کے منہ پر مار دیا جائے گا، ایسا عمل کرنے والے کو ثواب کے بدلے عذاب ملے گا، وہ سخت گنہگار رہے۔

لیکن --- **"اسلام اور ایمان سے خارج ہرگز نہیں، وہ گنہگار ضرور ہے لیکن مشرک یا کافر نہیں۔"**

ریاکاری کا گناہ اور عذاب

عمل کے قبول ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہر عمل کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جائے، عمل میں ذرہ برابر بھی ریا آ گئی، تو عمل برباد ہو گیا۔ عبادت میں اخلاص ضروری ہے، عبادت کے مقبول ہونے کا مکمل انحصار اخلاص پر ہی ہے۔ ثواب بھی اخلاص ہو گا تب ہی ملے گا۔ دکھاوا کرنے کے لیے اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنے آپ کو نیک، متقی، پرہیزگار، عبات گزار، ثابت کرنے کے لیے اور اپنی شہرت کے لیے عمل کرنا حرام ہے۔

ریاکار آدمی ثواب سے محروم رہنے کے ساتھ ساتھ دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوگا۔

حدیث سَمِعَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو يَحْدِثُ ابْنُ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ :
”مَنْ سَمَّعَ النَّاسَ بِعَمَلِهٖ ، سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ أَسَامِعَ خَلْقَهُ وَ حَقَّرَهُ وَ صَغَّرَهُ“

حوالہ : شرح السنۃ، امام الحسین بن مسعود البغوی (۴۳۶-۵۱۶ھ) جلد:۱۴، باب الریاء، صفحہ:۳۲۵، حدیث نمبر: ۴۱۳۸، مطبوعہ: المکتب الاسلامی، بیروت، دمشق۔

حدیث کا ترجمہ :

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس، رحمت عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ :

”جو شخص لوگوں میں اپنے عمل کا چرچا کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی ریاکاری کو لوگوں میں مشہور کردے گا اور اس کو ذلیل اور رسوا کرے گا۔“

یہ تو ہوئی دنیا کی بدنامی اور ذلت، اب آیئے قیامت میں کیسی رسوائی ہوگی، وہ دیکھیں :

حدیث شریف :

”کچھ لوگوں کو جنت میں جانے کا حکم ہوگا، وہ لوگ جب جنت کے قریب پہنچ جائیں گے اور جنت کی خوشبو سونگھیں گے اور جنت کے محلوں کو، جنت کی نعمتوں کو دیکھیں گے، جو اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے لیے تیار فرمائی ہیں۔ تو پکارا جائے گا، انھیں واپس کر دو، جنت میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں، یہ لوگ حسرت کے ساتھ واپس ہوں گے کہ ایسی حسرت کسی کو نہیں ہوئی۔

یہ لوگ کہیں گے کہ اے رب! اگر تو نے پہلے ہی جہنم میں داخل کر دیا ہوتا اور جنت کی وہ نعمتیں جو تو نے جنت والوں کے لیے بنائی ہیں، ہم نے نہ دیکھا ہوتا، تو ہم پر آسان ہوتا۔

رب تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ ہمارا مقصد ہی یہ تھا، اے بدبختو! جب تم تنہا ہوتے تھے، تو بڑے بڑے گناہ کرتے تھے اور جب لوگوں سے ملتے تھے تو بڑے نیک بنتے تھے، جو کچھ تمھارے دلوں میں ہوتا تھا، اس کے خلاف لوگوں پر ظاہر کرتے تھے، لوگوں سے تم ڈرے اور مجھ سے نہ ڈرے، لوگوں کا احترام کیا اور میرا احترام نہ کیا، لوگوں کے لیے گناہ (ظاہر میں) چھوڑے اور میرے لیے (تنہائی) میں نہ چھوڑے، لہٰذا آج تم کو عذاب چکھاؤں گا اور ثواب سے محروم رکھوں گا۔“

حوالہ :

(۱) کنز العمال، جلد نمبر:۳، حدیث نمبر:۷۵۳۴، صفحہ نمبر:۱۸۵۔

(۲) المعجم الاوسط، مولف: حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد ایوب طبرانی، متوفی: ۳۶۰ھ، حدیث نمبر:۵۴۷۸، صفحہ نمبر:۱۳۵، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

یہ تو ہوئی دنیا اور آخرت کی رسوائی اور عذاب کی سزا، جو ریا کار شخص کو بھگتنا پڑے گا، لیکن ایک پھٹکار ریا کار شخص پر یہ بھی پڑتی ہے کہ اس کے چہرے پر نور اور رونق نہیں ہوتی، حالانکہ اگلی امتوں کے ریا کاروں کے چہرے مسخ ہوجاتے تھے یعنی ان کے چہرے بگڑ جاتے تھے، جانوروں کی صورت میں ان کی شکلیں تبدیل ہوجاتی تھی۔

ریا کاری کی سب سے خراب قسم یہ ہے کہ دین کا کام دنیا کمانے کے لیے کیا جائے، یعنی دنیا کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے دین کی وضع قطع اختیار کی جائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا ایک واقعہ جو حدیث میں درج ہے، وہ پیش خدمت ہے :

عبرتناک واقعہ

’’ایک شخص ہمیشہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آیا کرتا تھا اور آپ کی ہدایت اور نصیحت بھری باتیں سنا کرتا تھا، وہ شخص ایک لمبے عرصہ تک اسی طرح آپ کی خدمت میں آتا رہا، پھر اچانک اس نے آنا چھوڑ دیا اور کسی مقام پر چلا گیا، وہاں جا کر اس نے دنیا کمانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے لوگوں کو باتیں بتانے لگا، ان باتوں میں اپنی طرف سے بھی باتیں ملانے لگا، چونکہ وہ باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بتا رہا تھا، اس لیے لوگ اس کی باتیں شوق سے سننے لگے، کافی تعداد میں لوگ اس کے پاس باتیں سننے کے لیے آنے لگے اور نذرانے اور مختلف انداز سے اس کی خدمت کرنے لگے، وہ شخص بہت بڑا دولت مند بن گیا۔

جب ایک لمبے عرصہ سے وہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آنے سے غائب رہا، تو حضرت موسیٰ نے اس کی تلاش شروع کی، لیکن اس کا کچھ بھی پتہ نہ لگا، ایک دن آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ ایک خنزیر تھا اور اس خنزیر کی گردن میں کالی رسی پڑی ہوئی تھی،

اس کو وہ شخص اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے اپنی گمشدہ خادم کے بارے میں دریافت کیا، تو اس نے کہا کہ یہ خنزیر ہی آپ کا گمشدہ خادم ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ اے میرے رب! اس شخص کو پھر اس کی اصلی صورت پر کر دے، تا کہ میں اس سے دریافت کرسکوں کہ اس کی صورت مسخ کیوں ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی کہ اس کی صورت اس لیے مسخ کردی گئی ہے کہ یہ دین کے ذریعہ دنیا طلب کرتا تھا۔

حوالہ : (حقیقتِ شرک، مصنف: محمد یحیی انصاری، ناشر: ایم آئی اکیڈمی، بھاگل پور، صفحہ نمبر: ۴۹)

اس امت کو اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم حضور اقدس ﷺ سے نسبت ہے اور آپ کی رحمت کا اس امت کو یہ صدقہ ملا ہے کہ اب صورتیں مسخ نہیں ہوتیں، البتہ دل ضرور مسخ ہوجاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں چہرے کا نور اور رونق ختم ہوجاتے ہیں۔ اور آدمی آہستہ آہستہ دین حق سے نکل کر کفر کے اندھیرے اور گمراہی کے راستے کی طرف چل دیتا ہے۔

ریا کاری کی مذمت میں بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے لیکن زیادہ نہ لکھتے ہوئے، صرف ایک حدیث شریف یہاں پیش کی جاتی ہے :

حدیث شریف :

’’عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ فَاِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی یَرَاءَ ی فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ یَرَاءَ ی فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ یَرَاءَ ی فَقَدْ اَشْرَكَ‘‘

حوالہ : مشکوٰۃ المصابیح، باب الریاء، الفصل الثالث، ص ۴۵۵، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، بمبئی

حدیث کا ترجمہ :

’’حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ کہا انھوں نے کہا کہ میں نے حضور

اقدس ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ:

''جس نے ریاکاری سے نماز پڑھی، اس نے شرک کیا، جس نے ریاکاری سے روزہ رکھا، اس نے شرک کیا، جس نے ریاکاری سے صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔''

اس حدیث میں ریاکاری سے نماز پڑھنے والے کو، ریاکاری سے روزہ رکھنے والے کو اور ریاکاری سے صدقہ کرنے والے کو شرک کرنے والا فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ کافر اور مشرک ہو کر اسلام سے خارج ہو گیا، یہاں شرک سے مراد ہرگز شرک اکبر نہیں بلکہ شرک اصغر ہے۔ شرک اکبر اس کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو عبادت کے لائق سمجھ کر اس کی عبادت کی جائے، یہ کھلا ہوا یعنی شرک جلی ہے۔ اس کے کرنے سے بے شک کرنے والا اسلام و ایمان سے خارج ہو جائے گا۔

لیکن ریاکاری کی عبادت کو بھی شرک کہا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ریاکاری سے عبادت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی ہرگز عبادت نہیں کرتا، وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہے، غیر خدا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کو شرک سمجھتا ہے۔ شرک سے نفرت کرتا ہے۔ پھر بھی اسے شرک کرنے والا اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کی عبادت میں اخلاص نہیں رہا، بے شک وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہے۔ مگر اس کی عبادت میں دنیا کے مفاد اور حرص کی آمیزش آ گئی ہے۔ اس آمیزش کی وجہ سے عبادت کا اصل مقصد یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی ختم ہو گئی۔ لوگوں کی نظروں میں اچھا دکھانے کی لالچ کی ملاوٹ آ گئی اور اس لالچ کا نام ہی ریاکاری۔ ریاکاری کیسا قابل مذمت کام ہے، اس کا ذکر ہم کر چکے، یہ ایسا شرمناک فعل ہے کہ ہمارے پیارے آقا نبیء رحمت رسول اللہ ﷺ نے اپنے امتیوں کو اس برائی سے بچانے کے لیے ایسے سخت الفاظ میں اس کی برائی بیان فرمائی کہ اس کو سن کر ہر شخص ریاکاری کے ارتکاب سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ ریا

کاری کو شرک کہہ کر اس سے ڈرایا گیا ہے۔ ریاکار شخص کو زجراً یعنی ڈرانے کے لیے شرک کرنے والا کہا گیا ہے۔ حکماً نہیں کہا گیا، یعنی اس پر مشرک ہونے کا حکم نہیں لگے گا، ہاں یہ بات بھی ضرور ہے کہ وہ سخت گنہ گار ہے۔ اس کی عبادت کوئی معنی نہیں رکھتی، قیامت کے دن اس کی عبادت اس کے منھ پر مار دی جائے گی۔ لیکن، اس کو کافر یا مشرک نہیں کہا جائے گا۔

ثابت ہوا کہ :

- **شرک اکبر (شرک جلی) یعنی کھلا ہوا شرک سے آدمی کافر مشرک ہو کر اسلام سے اور ایمان سے نکل جاتا ہے۔**
- **شرک اصغر (شرک خفی) سے آدمی کافر یا مشرک ہو کر اسلام اور ایمان سے نہیں نکل جاتا۔**

منافقوں کا ظلم وستم: ایمان والوں پر شرک کے فتوے

اس وقت آپ جس کتاب **''قرآنی درس توحید''** کا جواب پڑھ رہے ہیں، یہ کتاب مولوی اسماعیل دہلوی کی رسوائے زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' (اردو) کا ہندی ترجمہ ہے۔ بلکہ کچھ جملے تو حرف بہ حرف تقویۃ الایمان کے نقل کیے گئے ہیں۔

''تقویۃ الایمان'' کتاب کے مصنف **''مولوی اسماعیل دہلوی''** وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت کے پیشوا اور امام ہونے کے ساتھ ساتھ اہل حدیث (غیر مقلد) جماعت کے بھی معتبر پیشوا اور امام ہیں۔

مولوی اسماعیل کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' چھپنے کے بعد ہی ہندوستان میں وہابیت اور بدمذہبیت پھیلی ہے۔ مولوی اسماعیل دہلوی کی حیثیت وہابیوں اور اہل حدیث (غیر مقلدین) کے نزدیک ''امام اول فی الہند'' کی ہے۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں بڑی

نا انصافی سے کام لیا ہے۔ ایسا سخت تشدد کیا ہے کہ آدمی کانپ اٹھے، جو باتیں ''شرک خفی'' کی تھی، ان کو ''شرک جلی'' لکھ دیا۔ یعنی جن باتوں سے آدمی صرف گنہ گار ہوتا تھا، ان باتوں کی وجہ سے انھیں کافر و مشرک بنا دیا، جائز کاموں پر بھی شرک کے فتوے لگا دیے، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ایمان والوں کو کافر اور مشرک ٹھہرا دیا، شرک کے فتوے کا طوفان برپا کر کے فتنہ وفساد کی آندھی پھونک دی، خود مولوی اسماعیل دہلوی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ میں نے اپنی کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں تشدد سے کام لیا ہے۔ اس حقیقت کو وہابی دیوبندی جماعت کے حکیم الامت **مولوی اشرف علی صاحب تھانوی** نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

> ''مولوی اسماعیل صاحب نے تقویۃ الایمان اول عربی میں لکھی تھی۔ چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس اور ایک نسخہ مولوی نصر اللہ خاں خورجوری کے کتب خانہ میں بھی تھا۔ اس کے بعد مولانا نے اس کو اردو میں لکھا۔ اور لکھنے کے بعد اپنے خاص خاص لوگوں کو جمع کیا۔ جن میں سید صاحب، مولوی عبدالحیؒ صاحب، شاہ اسحٰق صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب، مولوی فرید الدین صاحب مرادآبادی، مومن خاں، عبد اللہ خاں علوی (استاذ امام بخش صہبائی و مملوک علی صاحب) بھی تھے۔ اور ان کے سامنے تقویۃ الایمان پیش کی اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور **میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہوگیا ہے۔ مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔** اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو میں آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے۔ اس لیے اس کام سے معذور

> ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اٹھائے گا نہیں۔ اس لیے میں نے یہ کتاب لکھ دی ہے۔ **گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔ یہ میرا خیال ہے۔** اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو، تو اشاعت کی جائے، ورنہ اسے چاک کر دیا جائے۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیئے۔ مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیئے۔ اس پر مولوی عبدالحیؒ صاحب، شاہ اسحٰق صاحب اور عبداللہ خاں علوی و مومن خاں نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں۔ اس پر آپس میں گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح شائع ہونی چاہیئے۔ **چنانچہ اس کی اشاعت اسی طرح ہوئی۔**''
>
> **حوالہ :** حکایات اولیاء، از اشرف علی تھانوی، حکایت نمبر:۵۹، صفحہ:۸۳،۸۴
> مطبوعہ: زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارن پور۔ یوپی

کتاب ''**حکایت اولیاء**'' کی اس عبارت کو صرف ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ توجہ اور غور وفکر کے ساتھ پڑھیں، اس عبارت میں ان جملوں پر خصوصی توجہ دیں، جیسا کی مصنف نے بذات خود تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ:

- **''میں جانتا ہوں کہ اس کتاب میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں، اور بعض جگہ تشدد بھی ہوگیا ہے۔''**
- **''ان امور کو جو شرک خفی تھے، شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔''**
- **''ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔''**
- **''گو اس سے شورش ہوگی، مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں، یہ میرا خیال ہے۔''**
- **''واقعہ کو بیان کرنے کے بعد آخر میں مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے لکھا ہے کہ :**

چنانچہ اس کی اشاعت اس طرح ہوئی۔''

■ **اب آیئے! ان جملوں پر ٹھنڈے دل سے سوچیں۔**

(۱) ''میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے۔''

اس جملے میں مصنف کا ''اقبال جرم'' ثابت ہو رہا ہے۔ ''میں جانتا ہوں'' کہہ کر مصنف تسلیم کر رہا ہے کہ اس کتاب **''تقویۃ الایمان''** میں میں نے تیز الفاظ اور تشدد کا جو جرم کیا ہے، وہ غلطی سے نہیں ہوا بلکہ میں نے جان بوجھ کر کیا ہے۔ لاعلمی میں یا کسی طرح کے جذبات سے متأثر ہو کر غلطی نہیں ہوئی، بلکہ مجھے معلوم ہے، سوچ سمجھ کر ہی میں نے لکھا ہے، بے خیالی سے میرا قلم بہکا نہیں ہے، جو بھی لکھا ہے، وہ میری سوچ و فکر کا ہی نتیجہ ہے، اسی لیے تو کہا کہ میں ''میں جانتا ہوں۔''

کیا جانتا ہوں؟ یہی کہ میں نے اس کتاب میں تشدد یعنی زیادتی کی ہے۔ تشدد کا معنٰی جبر ہوتا ہے اور جبر کے معنی ہے ظلم و ستم۔ یعنی مولوی اسماعیل نے اپنی کتاب کے ذریعہ امت اسلامیہ پر ظلم و ستم کیا ہے، اور وہ ظلم ستم کیا ہے؟

(۲) ''ان امور کو جو شرک خفی تھے، شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔''

حد کر دی!!! امور کا مطلب لغت میں **''بہت سے کام''** ہوتا ہے، حوالے کے لیے دیکھو **''فیروز اللغات''** صفحہ نمبر ۱۲۲۔ یعنی بہت سے ایسے کام جو **''شرک خفی''** کے تھے، ان کاموں کو **''شرک جلی''** لکھ دیا۔ جس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ جن کاموں کے کرنے سے آدمی مشرک اور کافر نہیں ہوتا بلکہ مسلمان ہی باقی رہتا ہے، البتہ گنہ گار ضرور ہوتا ہے، لیکن اسلام سے خارج نہیں ہوتا، ایسے کاموں کے کرنے والے لاکھوں مسلمانوں کو قلم کے صرف ایک ہی جھٹکے سے کافر اور مشرک بنا دیا۔ شرک کے فتوے کی مشین گن چلا کر لاکھوں کے ایمان کو نیست و نابود کر دیا۔

یہاں ایک بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے، مولوی اسماعیل دہلوی نے صرف **''شرک''** کے کاموں پر ہی ''شرک جلی'' کا فتویٰ نہیں دیا، بلکہ صدیوں سے جو جائز اور مستحب کام ملت اسلامیہ

میں رائج تھے، ان کاموں پر بھی ''شرک'' کے فتوے کی مشین گن چلا دی۔ اس امت کے جلیل القدر صحابہ، اولیاء، صلحاء، صوفیاء، علماء، محدثین، علمائے مجتہدین، مشائخ اور رہبر دین جن کاموں کو اسلام کے ابتدائی دور سے کرتے آئے اور ان کاموں کو کرنے کی نصیحتیں اور وصیتیں کی تھیں، ان تمام کاموں پر بھی بے دردی سے شرک کا فتویٰ صادر کر دیا۔

(۳) ''ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضروری ہوگی۔''

تقویۃ الایمان کتاب کا مصنف خود بھی اس حقیقت کو قبول کر رہا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں جائز اور مستحب کاموں پر شرک کے اندھا دھند فتوے تھوپ کر جو ظلم و ستم کیا ہے، اس وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔ شورش کا مطلب لغت میں ● فتنہ، ● فساد ● بلویٰ ● ہنگامہ (حوالہ: فیروز اللغات، صفحہ نمبر ۸۴۹) ہوتا ہے۔ یعنی خود مولوی اسماعیل دہلوی کو بھی ڈر تھا، کہ میری کتاب چھپتے ہی فتنے، فساد، بلوے اور ہنگامے شروع ہو جائیں گے۔ صرف احتمال نہیں تھا، بلکہ یقین تھا کہ کتاب چھپتے ہی بڑی گڑ بڑی ہوگی۔ اسی لیے تو کہا کہ ''شورش ضرور ہوگی'' یہ نہیں کہا کہ شورش ہوگی بلکہ ''ضرور'' کا لفظ بول کر یقین کے ساتھ کہا کہ میری کتاب چھپتے ہی ضرور فتنے، فساد کی آندھی چلے گی۔

مگر مولوی اسماعیل دہلوی کو اس کی کوئی پرواہ نہیں، مذہب کے نام پر شروع ہونے والے فتنہ و فساد اور جھگڑے کے ذریعہ مسلم اتحاد پارہ پارہ ہونے کا کوئی افسوس نہیں، دہلوی صاحب کی سنگدلی کا اندازہ تو اس بات سے آجاتا ہے کہ قوم ملت کے درمیان شروع ہونے والے فتنہ فساد اور جھگڑوں کو وہ ہلکے پھلکے ہو کر نظر انداز کرتے ہوئے یہاں تک کہتے ہیں کہ:

(۴) ''گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے، یہ میرا خیال ہے۔''

یعنی میری کتاب چھپنے سے ہنگامہ اور گڑ بڑی ہوگی، مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے، جب کتاب کے چھپنے سے ہونے والے فتنہ و فساد کا معاملہ درپیش تھا، تب یقین کیساتھ کہا کہ

''شورش ضرور ہوگی''، لیکن فتنہ وفساد کے ختم ہونے کا معاملہ آیا تو صرف ''توقع'' یعنی امید ظاہر کی جاتی ہے۔اور یہ امید بھی کیسے کی جاتی ہے ''لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے''

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جانے والے لوگ کون تھے؟ کیا ''تقویۃ الایمان'' چھپنے سے ہندو مسلم فساد ہونے والے تھے؟ کیا ہندوؤں اور سکھوں میں دنگے ہونے والے تھے؟ کیا مسلم عیسائی جنگ ہونے والی تھی؟ کیا مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ہنگامہ آرائی ہونے والی تھی؟ نہیں، ہرگز نہیں، کیوں کہ اس کتاب کی اشاعت سے دیگر مذہب وملت کے لوگوں کو کچھ نسبت نہ تھی، ہاں اگر نسبت تھی تو صرف مسلم قوم کو تھی، کیوں کہ یہ کتاب قرآن اور حدیث کے حوالے سے لکھی گئی تھی اور قرآن کی آیتوں اور احادیث کے غلط تراجم کرکے اور اس سے غلط استدلال کرکے صدیوں سے ملت اسلامیہ میں رائج کاموں پر کفر، شرک، بدعت، حرام اور ناجائز کے فتوے مارے گئے تھے، اس کتاب میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی شان میں جو گستاخانہ جملے لکھے گئے تھے، وہ کسی مسلمان کے لیے ناقابل برداشت تھے۔

انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی عقیدت اور محبت کے جذبہ سے جائز اور مستحب کاموں کے کرنے والے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں اہل ایمان لوگوں کو قلم کے ایک جھٹکے سے کافر اور مشرک ٹھہرایا گیا تھا، نتیجہ یہ آیا کہ ملت اسلامیہ کے درمیان ایک عظیم فتنہ برپا ہوگیا، قوم مسلم کی اکثریت نے اس کتاب کی مخالفت کی اور ہر جگہ اس کتاب کی وجہ سے فتنہ اور فساد کی آندھی چلی۔

گھر گھر میں خانہ جنگی، محلے میں تناؤ، مسجدوں میں مار پیٹ، مدرسوں میں لڑائی، برادری میں اختلاف، دوستوں میں نظریات کا تضاد، بھائی بھائی میں مذہبی تنازعہ، باپ بیٹے میں عقیدے کی مخالفت اور مذہب کے نام پر ہونے والے دنگے فساد کی وجہ سے مسلم وحدت پارہ پارہ ہوگئی، پورے ملک میں اختلاف اور جھگڑے کی آگ پھیل گئی، عام لوگوں کے ساتھ ساتھ عالموں میں بھی ہل چل مچ گئی ''**تقویۃ الایمان**'' کتاب کی اشاعت میں انگریزوں نے بھرپور امداد کی، لاکھوں کی تعداد میں یہ کتاب

چھاپ کر مسلمانوں کے ہر گھر میں مفت پہنچائی گئی، اس کتاب نے قوم مسلم سے دن کا چین اور رات کی نیند چھین لی، قوم کا اتحاد اور اتفاق اختلاف کی آگ میں جل کر راکھ ہوگیا۔

بس ..... اس وقت یعنی مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان کی اشاعت کے وقت سے مسلمانوں میں مذہب کے نام سے جو لڑائی شروع ہوئی تھی، وہ اب تک جاری ہے۔ اس وقت سے لیکر آج تک مسلمان لڑ بھڑ رہے ہیں۔ مولوی دہلوی نے تو یہ کہہ کر ''**لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں**'' لڑایا تھا، لیکن یہ لڑائی ابھی تک جاری ہے۔ اور نہ جانے کب تک جاری رہے گی؟ یہاں پر کچھ باتیں سوچنے کے قابل ہیں :

- مولوی اسماعیل دہلوی کو یقین کے درجہ میں معلوم تھا، کہ میری کتاب ''**تقویۃ الایمان**'' حقیقت میں خطرناک کتاب ہے، اسی لیے تو چھاپنے سے پہلے انھوں نے اپنے خاص دوستوں اور خیر خواہوں کی میٹنگ بلائی اور ان کے سامنے تسلیم کیا کہ میری کتاب چھپتے ہی مسلمانوں میں فتنہ، فساد، جھگڑا، اور ہنگامہ ہوگا، صرف ہوگا نہیں بلکہ ''ضرور ہوگا''
- مولوی اسمٰعیل دہلوی کے تشدّد اور زیادتی کی سنگینی سے خائف اور فکر مند ہو کر بعض احباب نے یہ مشورہ بھی دیا کہ فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیئے۔ لیکن ان کی بات نہیں مانی گئی، آپس میں گفت وشنید کرنے کے بعد مسلمانوں کو آپس میں لڑانے والی خطرناک کتاب ''تقویۃ الایمان'' کو مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے قول کے مطابق ''چنانچہ اس کی اشاعت اسی طرح ہوئی''، یعنی کسی بھی طرح کی تحریف کے بغیر اس کو شائع کر دیا گیا، نتیجہ کی کوئی پرواہ نہیں کی گئی، مسلمان آپس میں لڑیں، یا مریں، انھیں لڑنے دو، مرنے دو۔
- ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی ابتداء وہابی دیوبندی فرقہ کے پیشواؤں نے کی ہے۔
- شرک خفی کی باتوں پر شرک جلی کا فتویٰ لگا کر کروڑوں کی تعداد میں ایمان والوں کو جبر دستی کافر اور مشرک بنایا گیا ہے۔
- مسلم اتحاد کو پاش پاش کرنے کا جرم وہابی دیوبندی فرقہ کے مولویوں نے کیا اور کر رہے ہیں۔

شرک کا حکم ہر شریعت میں ہمیشہ مساوی رہا ہے

ہر نبی اور ہر رسول الگ الگ دور میں دنیا میں تشریف لائے اور ہر نبی اور رسول نے اپنے امتیوں کو اللہ کی توحید کا پیغام دیا، اللہ کی توحید کے پیغام میں ہی شرک سے بچنے کا پیغام شامل ہوگیا، اللہ تعالیٰ کی توحید رسول کی رسالت، قیامت، حساب و کتاب، جنت اور دوزخ، ان کے علاوہ وہ باتیں جن کا تعلق عقیدے سے ہے، وہ ساری باتیں اپنی امت کو تعلیم کرنے کے ساتھ ساتھ عبادت، اخلاق، نیکی کے کام کی ترغیب دینا، برائی کے کاموں سے روکنا اور تعلیمی، سماجی، اقتصادی، معاشی وغیرہ سے تعلق رکھنے والے امور کے متعلق شرعی اصول اور قانون اپنی امت کو سکھائے۔

لیکن ان تمام رشد وہدایت کا اصل الاصول اللہ تعالیٰ کی توحید کے عقیدے پر تھا، اللہ کی توحید کے تعلق سے ہم نے پچھلے صفحات میں تفصیلی بحث کر لی ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک تسلیم کر کے، اس کو ہی عبادت کے لائق سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش سے بچنا، یہ عقیدہ ہر مومن کے لیے ضروری ہے۔ اس کے برعکس کرنا شرک ہے۔

شرک ایک ایسا گھنونا اور ناپسندیدہ فعل ہے، کہ قرآن مجید میں کئی مقام پر اس کی مذمت کی گئی ہے۔ ہر نبی اور رسول نے اپنے امتیوں کو شرک کے ارتکاب سے بچنے کی سخت الفاظ میں تاکید کی ہے۔ کن باتوں سے شرک ہوجاتا ہے اور کن باتوں سے نہیں ہوتا، اس کی تفصیلی معلومات بتائی، لوگوں کو شرک کے کاموں سے ڈرایا اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ کے فرامین پر عمل کرنے کی بھی تنبیہ کی۔

مذکورہ باتوں کو ہم دو حصوں میں تقسیم کریں گے۔

(۱) وہ باتیں جو عقائد سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کو ہم اصولی باتیں کہیں گے، جن پر ایمان کا مدار ہے، یعنی جن باتوں کے ماننے یا نہ ماننے سے آدمی 'مومن' یا 'کافر' کہلاتا ہے۔

(۲) وہ باتیں جو عمل سے تعلق رکھتی ہیں، جن کو ہم فروعی باتیں کہیں گے۔ جن پر شریعت کی پابندی کا

مدار ہے۔ یعنی جن کے کرنے یا نہ کرنے سے آدمی 'نیک' یا 'بد' کہلاتا ہے۔

عقیدے اور عمل پر مشتمل باتوں میں سے عقیدے کی باتیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں، اور عقیدوں میں سب سے زیادہ اہمیت اللہ تعالیٰ کی توحید کی ہے، کیوں کہ تمام انبیائے کرام نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید کا ہی پیغام دیا ہے۔ ہر نبی اور رسول نے **"لا اِلٰہ اِلا اللہ"** کا پرچم بلند فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے اقرار کے بعد اپنی رسالت کو منوایا ہے۔ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت **محمد مصطفیٰ** ﷺ نے بھی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید کا ہی پیغام دیا ہے۔

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾

اس کلمہ شریف میں پہلے توحید کا اور پھر رسالت کا اقرار ہے اور ذرا کلمہ شریف کے ترجمہ کی طرف غور کریں کہ **"نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"**

کلمہ شریف کے اقرار میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار اس طرح کرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو "اِلٰہ" یعنی "معبود" یعنی عبادت کے لائق ہونے کا انکار کرایا گیا ہے، کتنا پیارا انداز ہے۔ انکار کے ذریعہ اقرار کرایا گیا ہے یعنی اوروں کے معبود ہونے کا انکار کرا کر اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کا اقرار کرایا جارہا ہے۔ اسی کا نام توحید ہے۔ اس کے خلاف یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو "معبود" ماننا شرک ہے۔ توحید اور شرک، یہ دونوں متضاد بات ہیں، ایک کی موجودگی میں دوسرے کا ہونا محال ہے۔ توحید کا عقیدہ اپنایا شرک ختم ہوگیا، شرک کا کوئی کام یا عقیدہ اپنایا توحید کا عقیدہ ختم ہوگیا، توحید اور شرک ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ شرک کا کام اور عقیدہ ایمان کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ ایمان کی حفاظت کے لیے شرک سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت اور رہبری کے لیے قرآن مجید میں کئی مقام پر شرک کی مذمت اور برائی بیان فرمائی ہے اور اپنے بندوں کو شرک سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

چند آیتیں پیش خدمت ہیں :

■ ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ (پارہ ۵، سورۂ نساء، آیت نمبر ۱۱۶)

ترجمہ : ”اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے۔“ (کنزالایمان)

■ ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ط إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (پارہ نمبر ۲۱، سورۂ لقمان، آیت نمبر ۱۳)

ترجمہ : ”اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ کرنا‘ بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔“ (کنزالایمان)

■ ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾ (پارہ نمبر ۵، سورۂ نساء، آیت نمبر ۳۶)

ترجمہ : ”اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ۔“ (کنزالایمان)

■ ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ (پارہ نمبر ۵، سورۂ نساء، آیت نمبر ۱۱۶)

ترجمہ : ”اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے، وہ دور کی گمراہی میں پڑا۔“ (کنزالایمان)

■ ﴿قُلْ إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهٖ﴾ (پارہ نمبر ۱۳، سورہ رعد، آیت نمبر ۳۶)

ترجمہ : ”تم فرماؤ، مجھے تو یہی حکم ہے کہ اللہ کی بندگی کروں اور اس کا شریک نہ ٹھہراؤں۔“ (کنزالایمان)

ایسی تو کئی آیتیں قرآن مجید میں ہیں، ان تمام آیتوں سے یہی پتہ چلتا ہے کہ شرک ایسا گندہ عقیدہ اور بڑا گناہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا عقیدہ ختم ہو جاتا ہے۔

ضروری نکتہ :

شرک ایسا شرمناک کام ہے کہ اس کا حکم ہمیشہ ایک سا ہی رہا ہے۔ یعنی شرک ہمیشہ شرک ہی رہا ہے۔ ازل سے لے کر ابد تک، شرک ہمیشہ ایک ہی حکم میں رہا ہے۔ شرک کے احکام میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی یا ترمیم نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ شرک ہر حال میں شرک تھا، اور ہے اور رہے گا۔

جو کام ہمیشہ شریعت یعنی شریعت محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں شرک ہے، وہ کام اگلی تمام شریعتوں میں بھی شرک ہی تھا، ایسا کبھی نہ ہوا کہ اگلی شریعت میں جو کام شرک کے حکم میں تھا، اب وہ حکم منسوخ ہو کر وہ شرک کا کام جائز ہو گیا، یا جو کام اگلی شریعت میں جائز تھا، اب وہ کام شرک ہو گیا۔ بلکہ شرک کا حکم ہر زمانے اور ہر شریعت میں برابر ہی رہا ہے۔ جو کام حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں شرک کے حکم میں تھا، وہی کام حضرت آدم سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کی تمام شریعتوں میں اور حضرت عیسیٰ کی شریعت سے لیکر حضور اقدس ﷺ کی شریعت میں بھی شرک کے حکم میں تھا اور ہے۔

اسی طرح شرک کا حکم تمام مخلوق کے لیے ایک ہی سا حکم رکھتا ہے۔ یعنی جس کام کا کرنا انسان کے لیے شرک کا حکم رکھتا ہے، وہی کام جنات، فرشتے اور ہر ذی شعور کے لیے بھی شرک کا حکم رکھتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا اور نہ کبھی ہو سکتا ہے کہ جو کام انسانوں کے لیے شرک ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے وہی کام جنات اور فرشتوں کے لیے شرک نہ ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔

بلکہ ......

انسان، جنات، فرشتے، حور، غلمان، تمام کے لیے شرک کا حکم یکساں ہے، کسی ذی شعور مخلوق کو کسی بھی زمانے میں، کسی بھی عالم میں، کسی بھی حالت میں، کسی بھی جگہ، کسی بھی وقت اور کسی بھی شریعت میں، اللہ تعالیٰ کی توحید میں کسی کو بھی اور کسی بھی طرح سے شریک کرنا روا نہیں اور ایسا کام کرنے والا اور ایسے کام کو روا رکھنے والا شخص خلاف توحید، مشرک اور جہنم کے دردناک عذاب اور اللہ تعالیٰ کی لعنت کا حق دار ہے۔

حلال اور حرام کے حکم میں تبدیلیاں ہوئی ہیں

جو کام عقیدے کے تعلق سے ہیں، ان کے حکم میں کبھی بھی تبدیلیاں نہیں ہوئی ہیں، اور نہ ہو سکتی ہے، جیسے کہ شرک کا کام، لیکن جن کاموں کا تعلق عمل سے ہے یعنی ان کاموں کا کرنا جائز یا ناجائز ہے، ایسے کاموں کے حلال یا حرام اور جائز یا ناجائز کے حکم میں تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر:

- کچھ کام اگلی شریعت میں جائز تھے، وہ کام اب اس شریعت میں حرام ہیں۔
- کچھ کام اگلی شریعت میں حرام تھے، وہ کام اب اس شریعت میں حلال ہیں۔
- کچھ کام ابتدائے اسلام میں ہماری شریعت میں جائز تھے، وہ اب ہماری ہی شریعت میں حرام ہیں۔
- بلکہ آج بھی ہماری اس شریعت میں کچھ کام بعض لوگوں کے لیے جائز ہیں، وہی کام بعض کے لیے ناجائز ہیں۔
- اس شریعت میں آج بھی کچھ کام بعض کے لیے حرام ہیں، وہ کام بعض کے لیے حلال ہیں۔

ان باتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے کچھ مثالیں پیش خدمت ہیں:

⊙ حضرت آدم علیہ السلام کا جب ماں حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا اور آپ کی نسل چلی، تو ہمیشہ حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن اطہر سے جڑواں بچے ہی پیدا ہوتے تھے، ان میں سے ایک لڑکا ہوتا تھا اور ایک لڑکی ہوتی تھی، انسانی نسل کی بقا اور فروغ کے لیے حضرت آدم کی شریعت میں یہ قانون تھا کہ ایک جوڑی کے لڑکے کا دوسری جوڑی کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز تھا، حالاں کہ وہ دونوں لڑکا اور لڑکی ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہونے کی وجہ سے حقیقی (سگے) بھائی بہن تھے، مگر پھر بھی ان کا آپس میں نکاح کرنا جائز تھا۔

لیکن اب شریعت محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں اس طرح نکاح کرنا حرام ہے۔

⊙ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اونٹ کا گوشت کھانا اور شنبہ کے دن مچھلی کا شکار کرنا حرام تھا، لیکن ہماری شریعت میں یہ دونوں کام حلال ہیں۔

⊙ ابتدائے اسلام میں عورت کو بے پردہ نکلنا جائز تھا، لیکن اب ناجائز ہے، اسی طرح اسلام کے ابتدائی دور میں شراب پینا حلال تھا، لیکن اب شراب پینا ایسا سخت حرام ہے کہ شراب پینے والے کو ۸۰/اسّی کوڑے لگائے جائیں گے۔

⊙ رمضان کے مہینے میں رات میں بھی اپنی زوجہ سے ہمبستری کرنا ہماری شریعت میں شروع کے دور میں حرام تھا، لیکن اب حلال ہے۔

⊙ اس شریعت میں مرد کو سونا پہنا حرام ہے، جب کہ عورت کے لیے جائز ہے۔

⊙ اس شریعت میں مرد کے لیے سر کے بال کٹانا یا منڈھانا جائز ہے اور عورت کے لیے حرام ہے۔

ایسی تو بہت مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، کہ حلال اور حرام کے قانون میں اگلی شریعتوں میں اور ہماری شریعت میں بلکہ ہماری ہی شریعت میں بھی ابتدائی دور میں اور پھر بعد میں حلال اور حرام کے حکموں میں تبدیلیاں ہوئی ہیں، لیکن شرک ایسا گندہ اور نفرت آمیز فعل ہے کہ جس کو کسی بھی شریعت میں اور کسی بھی وقت میں روا نہیں رکھا گیا۔ اسی وجہ سے جو کام اگلی شریعت میں شرک کے حکم میں تھا، وہ کام ہماری شریعت میں بھی شرک ہے اور جو کام آج ہماری شریعت میں شرک ہے، وہ کام اگلی شریعت میں بھی شرک تھا۔

بلکہ انسان کے وجود سے پہلے جب کہ صرف فرشتوں اور جناتوں کا وجود تھا، تب بھی ان کے حق میں جو کام شرک تھے، وہ کام وجود انسان کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت اور اب تک وہ کام شرک ہی کے حکم میں ہیں اور ہمیشہ کے لیے شرک کے حکم میں ہی رہیں گے، مختصر یہ کہ شرک کا کام ازل سے لیکر ابد تک شرک کے ہی حکم میں رہا تھا، رہا ہے اور رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کے کسی بھی کام

کو کبھی روا نہیں رکھا اور نہ کبھی روا رکھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی شرک کے کسی بھی کام کا حکم نہیں دیا اور نہ کبھی دے گا، فرشتوں کو حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا، وہ ہرگز شرک نہیں تھا، اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

توحید اور شرک کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ذاتی اور عطائی کا فرق سمجھنا ضروری ہے :

ہر مومن اپنے توحید کے عقیدے کی حفاظت کرنے کی حد درجہ کوشش کرتا ہے اور توحید کے عقیدے کی حفاظت کے لیے شرک سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ شرک کے اعتقاد اور ارتکاب سے ایمان برباد ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید، ایمان اور عقیدے کی اصل ہے اور اس مقدس توحید کے خلاف کرنے کا نام شرک ہے۔ شرک کی وجہ سے توحید کا عقیدہ ختم ہوجاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کن باتوں سے توحید کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور شرک کا حکم نافذ ہوتا ہے ؟۔

جیسا کہ اگلے صفحات میں ''**توحید الٰہی**'' کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے کہ :-

''اللہ تعالیٰ ایک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں، نہ احکام میں، نہ اسماء میں۔''

یہ توحید کا بنیادی عقیدہ ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کا کوئی شریک نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں بھی کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی صفتیں ہیں وہ تمام صفتیں ذاتی ہیں، ذاتی کا مطلب اصلی، حقیقی، نجی، اپنی ہیں۔ (حوالہ: فیروز اللغات، صفحہ نمبر ۶۸۹)

عطائی کا مطلب ہوتا ہے ''**عطا کیا ہوا**'' یعنی کسی کا دیا ہوا۔ ہبہ کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت اور کمال ذاتی ہیں۔ عطائی نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی بڑا اور زیادہ قدرت والا نہیں، جو اللہ تعالیٰ کو کچھ عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ نہ کسی سے کوئی عطا لے اور نہ کوئی اللہ تعالیٰ کو کسی طرح کی کوئی عطا دے، یا

دے سکے۔ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت یا کسی کمال کو عطائی یعنی کسی دوسرے کا عطا کیا ہوا، یا دیا ہوا، ماننا اللہ تعالیٰ کی توحید کے خلاف ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ''**خالق کل شئ**'' یعنی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ جب بھی جس چیز کو یا جس کسی کو جہاں کہیں، جس وقت جس طرح چاہے، جتنا، پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے، صرف حکم ''کن'' (ہوجا) سے پیدا فرمالیتا ہے۔ کسی چیز کی تخلیق میں اسے کسی کی مدد یا مشورے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ سارا عالم اس کا محتاج ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بہت سارے صفاتی نام ہیں۔ ایک روایت میں اللہ تعالیٰ کے ۹۹/ننانوے صفاتی نام ہیں۔ اور ایک روایت میں ۹۹۹/نوسو ننانوے صفاتی نام کا ذکر ہے۔ یہ تمام صفاتی نام اللہ تعالیٰ کی عظیم صفتوں سے متصف ہیں۔ یعنی ان ناموں سے اللہ تعالیٰ کی صفتوں اور کمال کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے کہ :

⊙ **ملک** : **بادشاہ**
⊙ **سمیع** : **سننے والا**
⊙ **خالق** : **پیدا کرنے والا**
⊙ **کریم** : **کرم والا**
⊙ **ناصر** : **مددگار**
⊙ **رؤف** : **بہت مہربان**
⊙ **علیم** : **جاننے والا**
⊙ **عزیز** : **عزت والا**
⊙ **معطی** : **دینے والا**
⊙ **رب** : **پالن ہار**

⊙ **محی** : **زندہ کرنے والا**

⊙ **بصیر** : **دیکھنے والا**

⊙ **مالک** : **مالک، مختار**

⊙ **حاکم** : **فیصلہ کرنے والا**

⊙ **قوی** : **قوت والا**

⊙ **رحیم** : **رحمت والا**

⊙ **مومن** : **امان دینے والا**

⊙ **وہاب** : **بہت عطا کرنے والا**

⊙ **حکیم** : **حکمت والا**

⊙ **ولی** : **حمایتی**

⊙ **مولیٰ** : **انعام دینے والا، مالک، سردار، حمایتی**

یہاں پر ہم نے اللہ تعالیٰ کے چند صفاتی نام اور اس کا مطلب لکھا ہے۔ان صفاتی ناموں سے اللہ تعالیٰ کی صفتیں اور کمالات ظاہر ہوتے ہیں، مثال کے طور پر جب ہم اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام **''علیم''** بولیں گے تو اس نام سے اللہ تعالیٰ کی صفت **''جاننے والا''** ظاہر ہوگی، یعنی اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔یعنی ازل سے ابد تک کی ہر باریک سے باریک چیز کو جانتا تھا۔ جانتا ہے اور جانتا رہے گا، اس کے علم سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں، دلوں میں جو خیالات آتے ہیں۔اس کی بھی اللہ تعالیٰ کو خبر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ''علیم'' سے اللہ تعالیٰ کے علم اور جاننے کی صفت اور کمال کی معلومات حاصل ہوئی۔لیکن اس معلومات میں ایک اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور جاننے کی جو صفت ہے

وہ بھی ذاتی ہے اصلی اور حقیقی ہے، کسی کی عطا کی ہوئی نہیں ہے۔

اسی طرح ....

اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ''معطی'' بھی ہے۔ معطی کا مطلب ''دینے والا''۔یعنی عطا کرنے والا ہوتا ہے۔(حوالہ: مصباح اللغات، صفحہ نمبر ۵۶۱) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ''وہاب'' یعنی **''عطا کرنے والا''** بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے، دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کسی سے عطا لیتا نہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں، لیتا نہیں بلکہ دیتا ہے۔ کسی کو کوئی چیز، کوئی کمال، کوئی ہنر، کوئی فضیلت، کوئی قوت، طاقت، اختیار یا اور کسی طرح کی نوازش کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اختیار میں ہے۔ وہ مالک حقیقی ہے۔کسی کو کیا؟ اور کتنا؟ کب؟ اور کیسے؟ اور کس لیے؟ دینا اور عطا کرنا، یہ سب اللہ، جیسا، جب اور جس طرح چاہے کرنے والا ہے۔ کسی کو اس پر قابو نہیں۔ اسے اپنے ارادے سے باز رکھنے والا کوئی نہیں، جسے جو چاہے عطا کرے، جسے نہ چاہے نہ دے۔

جب ہم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اقرار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے قادر مطلق کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کو ''معطی'' اور ''وہاب'' مان رہے، ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی عطا پر منھ بگاڑ کر واویلا مچانے کا ہمیں کوئی حق نہیں، ایسا واویلہ مچا کر مخالفت کا اظہار کرنا، اللہ کی صفت معطی اور وہاب کا انکار کرنا ہے۔

قرآن مجید کی روشنی میں ذاتی اور عطائی کا فرق

دور حاضر میں منافقین بات بات میں شرک کا شور مچاتے ہیں، جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی شان میں تعظیم کی بات یا کام کا ذکر ہوا، فوراً توحید کا جھنڈا بلند کر کے شرک کی راگنی آلاپنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر کسی نے کہا کہ **''ہمارے پیارے نبی ﷺ کو علم غیب تھا''** تو فوراً آستین چڑھا کر مرنے مارنے اور مٹنے مٹانے پر کھڑے ہو جاتے ہیں، فوراً قرآن مجید کی ان آیتوں کو پیش کرنا

شروع کر دیں گے جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے ذاتی علم غیب کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لیے ذاتی علم غیب کا انکار ہے۔

علاوہ ازیں ایک بے تکی دلیل دے کر بھولے اور سیدھے سادے لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جو صفت اور کمال ہم اللہ تعالیٰ کے لیے مانتے ہیں، وہ صفت اور کمال اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لیے مانا، تو شرک ہو گیا، ہمارا توحید کا عقیدہ برباد ہو گیا، لوگوں کو بہکانے کے لیے مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''جب اللہ تعالیٰ علم غیب کا جاننے والا ہے اور اگر ہم نے یہ مانا کہ رسول کو بھی علم غیب تھا، تو رسول کی اللہ سے برابری ہوگئی، توحید کا عقیدہ ٹوٹ گیا، جو صفت اللہ کی ہے وہ رسول کی بھی مانی، تو شرک ہو گیا اور شرک ایسا بھیانک جرم ہے کہ اللہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔''

بے چارہ ان پڑھ مسلمان شرک کا نام سن کر تھر تھر کانپنے لگتا ہے، اسے کیا معلوم کہ یہ بہکانے والا ذاتی اور عطائی میں فرق کیے بغیر دونوں کو ایک ہی درجہ میں شمار کر کے دھوکہ دے رہا ہے۔

اگر ہم نے ذاتی اور عطائی یعنی حقیقی اور مجازی میں فرق نہ کیا اور سب کو ذاتی ہی مان کر چلے، تو دنیا بھر میں کسی کا بھی ایمان باقی نہیں رہے گا، ہر شخص شرک کے گناہ کا مجرم بن جائے گا، حد تو یہاں ہوگی کہ اگر ذاتی اور عطائی میں فرق نہیں کیا تو قرآن مجید کی آیتوں میں بھی تضاد نظر آئے گا۔

آیئے !

قرآن مجید کی آیتوں کی روشنی میں ذاتی اور عطائی کا فرق سمجھیں اور قرآن مجید کی سچی تعلیم سے ہدایت حاصل کر کے صراط مستقیم سیدھا راستہ چلیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ یہ عقیدہ ہر ایمان والے کے لیے لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفتیں ذاتی ہیں، ان تمام صفتوں میں ایک ذرے کے کروڑویں حصہ کے برابر بلکہ اس سے بھی کم حصہ کے برابر بھی

کسی کو ذاتی طور پر شریک ماننا بے شک اور یقیناً شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ''معطی'' اور ایک صفت ''وہاب'' بھی ہے۔ یعنی دینے والا اور بہت عطا کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جسے چاہے اسے اپنی صفت اور کمال سے مستفیض، مستفید اور متصف فرماتا ہے۔ یعنی جسے چاہے اسے فیض اٹھانے والا، فائدہ اٹھانے والا اور صفت رکھنے والا بنا دیتا ہے اور اس کی صفتیں اور کمال ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہوتی ہے۔ اس دنیا میں ابتدا سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر قیامت تک عجیب اور حیرت میں ڈال دینے والے کمالات رکھنے والے بے شمار لوگ پیدا ہوئے اور ہوں گے۔ ان تمام با کمال لوگوں کے کمالات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عطا اور فضل و کرم سے انھیں ملنے کی وجہ سے عطائی تھے۔ اللہ تعالیٰ جسے جو چاہے عطا فرماتا ہے۔

■ قرآن مجید میں ہے کہ :

﴿ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ ﴾ (پارہ ۲۷، سورۃ الحدید، آیت نمبر ۲۱)

ترجمہ : ''یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے دے۔'' (کنز الایمان)

■ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ﴾ (پارہ ۳۰، سورۃ الضحی، آیت نمبر ۵)

ترجمہ : ''اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمھیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے''

(کنز الایمان)

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو جو چاہے، وہ دیتا ہے اور عطا کرتا ہے۔ اس عطا اور دینے میں اللہ تعالیٰ پر کسی کی اور کسی قسم کی کوئی بھی پابندی نہیں ہے۔ جسے جو چاہے، جتنا چاہے، جب چاہے، جس طرح چاہے، دیتا ہے اور دے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بے شمار بندے ہوئے ہیں، موجود ہیں، اور ہوں گے۔ ان بندوں کے بھی کئی اقسام ہیں، کوئی محبوب اور مقبول بندہ ہے، تو کوئی مردود اور متروک بندہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کو کوئی نہ کوئی خوبی اور کمال عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا بھی دو قسم کی ہے۔ ''**عام عطا**'' اور ''**خاص عطا**''، عام عطا سب پر ہوتی ہے اس میں نبی، رسول، ولی، مومن، نیک، متقی، پرہیزگار، بدکار، فاسق، فاجر، کافر، مشرک، مجوس، یہودی، نصرانی، سب شامل ہیں، خاص عطا اپنے نیک اور مقبول بندوں پر فرماتا ہے۔ اپنے محبوب بندوں پر تو اور زیادہ عطا فرماتا ہے اور خصوصا اپنے محبوب اعظم سرور انبیاء و مرسلین حضور اقدس، رحمۃ للعالمین ﷺ پر تو اتنی عطا اور نوازش فرمائی ہے کہ جس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔

اللہ کی صفت ''سمیع۔ بصیر'' یعنی سننے والا۔ دیکھنے والا

اللہ تعالیٰ کی صفت میں سے ''سمیع'' اور ''بصیر'' کا قرآن مجید میں کئی مقام پر ذکر ہوا ہے۔ یہاں پر صرف تین آیتیں پیش خدمت ہیں۔

آیت شریف :

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴾ (پارہ ۱، سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۲۷)

ترجمہ :

''اے رب ہمارے، ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی سنتا جانتا ہے۔'' (کنز الایمان)

آیت شریف :

﴿ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴾ (پارہ ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت: ۱)

ترجمہ :

''بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔'' (کنز الایمان)

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفت سمیع اور بصیر کا ذکر ہوا ہے۔ اب آیئے قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت کا شرف حاصل کریں جس میں اللہ کے ہر بندے کو سمیع اور بصیر کہا گیا ہے۔

آیت شریف :

﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْہِ فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ﴾

(پارہ ۲۹، سورۃ الدہر، آیت ۲)

ترجمہ :

''بے شک ہم نے آدمیوں کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے کہ اسے جانچے، تو اسے سنتا دیکھتا کر دیا۔'' (کنز الایمان)

اگر آپ غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مطلق انسان کو سمیع اور بصیر کی صفت سے متصف فرمایا ہے۔ یہ حقیقت ہے بلکہ ہر مومن کے لیے لازمی ہے، کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے۔ اسی طرح جب قرآن مجید نے ہر انسان کو سمیع اور بصیر فرمایا ہے، تو قرآن مجید کی آیت کا انکار نہیں ہو سکتا، لہذا یہ ماننا بھی ضروری ہو گیا کہ قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق ہر انسان سمیع اور بصیر ہے۔

اگر ہم نے ذاتی اور عطائی کا فرق نہ کیا اور دور حاضر کے منافقوں کی طرح ہر صفت اور کمال کو ایک ہی درجہ میں رکھا تو بڑی گڑبڑی پیدا ہو جائے گی بلکہ شرک کے ارتکاب کا اندیشہ کھڑا ہو جائے گا، لہذا ہمارے لیے لازمی ہے کہ یہاں ذاتی اور عطائی کا فرق کر کے یہ تشریح کرنی پڑے گی کہ:

- **اللہ تعالیٰ کی جو صفت سمیع اور بصیر ہے وہ ذاتی ہے۔**
- **انسان کی سمیع اور بصیر ہونے کی جو صفت ہے وہ عطائی ہے۔**

یعنی انسان کو سمیع اور بصیر ہونے کا جو کمال حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے، لہذا انسان کے لیے سمیع اور بصیر ہونے کی عطائی صفت کا اعتقاد رکھنے والا ہرگز مشرک نہیں، ہاں شرک تب ہی ہوگا

کہ یہ عقیدہ رکھے کہ انسان کا سننا اور دیکھنا ذاتی کمال سے ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، وہ بے نیاز ہے، یہ عقیدہ توحید کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ''محی''، یعنی مردوں کو زندہ کرنے والا :

اللہ تعالیٰ کی صفت میں سے ایک ذاتی صفت ''محی''، یعنی مردوں کو زندہ کرنے والا بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا قرآن مجید میں اس طرح ذکر ہے کہ:

آیت شریف :

﴿إِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ج وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ﴾

(پارہ ۲۱، سورۃ الروم، آیت ۵۰)

ترجمہ :

''بے شک، وہ مردوں کو زندہ کرے گا، اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔'' (کنز الایمان)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت محی کا ذکر ہے، ہر مومن کے لیے یہ عقیدہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمانے والا ہے۔ ماضی میں ایسے کئی واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں کہ برسوں پرانے مردے اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہوگئے ہیں، اور قیامت کے دن تو سب کے سب مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ فرمائے گا۔ یہ سب اللہ کی قدرت میں شامل ہے۔ کیوں کہ قرآن مجید میں صاف ارشاد ہے کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور عطائیں تھیں، ان میں سے ایک عنایت یہ بھی تھی کہ:

آیت شریف :

﴿وَأُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ (پارہ ۳، سورۃ آل عمران، آیت ۵۱)

ترجمہ :

''اور میں مردے جلاتا ہوں، اللہ کے حکم سے۔'' (کنز الایمان)

قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرنے والے ہونے کی وجہ سے ''محی'' صفت والے تھے، لیکن ان کی یہ صفت عطائی تھی، جیسا کہ انھوں نے فرمایا کہ ''بإذن اللہ''، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ بھی ''محی'' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ''محی''، پھر بھی شرک نہیں ہوا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ذاتی اور حقیقی ہے، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ صفت عطائی اور مجازی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت رؤف اور رحیم یعنی بہت مہربان اور رحمت والا

اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں سے ''رؤف'' اور ''رحیم'' بھی ہیں۔ رؤف کے معنی بہت مہربان اور رحیم کے معنی رحمت والا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام رؤف کا ذکر قرآن مجید میں تقریباً گیارہ مرتبہ آیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام رحیم کا ذکر قرآن مجید میں تقریباً ایک سو چودہ مرتبہ آیا ہے۔ اور ایک مرتبہ حضور اقدس رحمۃ للعالمین کے لیے بھی دونوں نام آئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام اور رحیم کے تعلق سے صرف ایک ہی آیت پیش خدمت ہے۔

آیت شریف :

﴿إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (پارہ ۲، سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۳)

ترجمہ :

''بے شک اللہ آدمیوں پر بہت مہربان رحمت والا ہے۔'' (کنز الایمان)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے دو صفاتی نام ''رؤف'' اور ''رحیم'' کا ذکر ہے۔ انھیں صفتوں کے

ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے حبیب اکرم واعظم ﷺ کو بھی متصف فرمایا ہے۔

آیت شریف :

﴿ لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (پارہ۱۱،سورۃ التوبہ،آیت ۱۲۸)

ترجمہ :

”بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمھارا مشقت میں پڑنا گراں ہے،تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے،مسلمانوں پر کمال مہربان۔“ (کنزالایمان)

حل لغت :

- مشقت : تکلیف،دکھ (فیروز اللغات،صفحہ نمبر۱۲۵۱)
- گراں : ناگوار۔ (فیروز اللغات،صفحہ نمبر۱۲۵۱)
- کمال : نہایت پورا،کامل (فیروز اللغات،صفحہ نمبر۱۰۲۷)

اس آیت میں ارشادِ رب تعالیٰ ہے کہ تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے ، جو تمہاری ہی قوم کے ہیں،اس رسول کی تمھارے ساتھ ہمدردی کا یہ عالم ہے کہ تمہیں اگر تکلیف یا دکھ پہنچتا ہے،تو تمھارا دکھی ہونا یا مصیبت میں پڑنا بھی انھیں گوارا نہیں ہے۔کیوں کہ وہ تمھاری بہت ہی بھلائی چاہنے والے ہیں اور خاص کر ایمان والوں پر تو بہت زیادہ مہربان اور مہربانی کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں حضور اقدس ﷺ کے لیے بھی ”رؤف“ اور ”رحیم“ صفت کا ذکر کیا گیا ہے۔

لہٰذا قرآن مجید کی آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ:

- **اللہ تعالیٰ ”رؤف“ اور ”رحیم“ ہے۔**
- **اللہ کے رسول بھی ”رؤف“ اور ”رحیم“ ہیں۔**

یہ دو جملے پڑھ کر ہوسکتا ہے شاید کسی منافق کے دماغ میں شرک کا بخار چڑھ گیا ہو اور اس کا سر چکرانے لگا ہو، کیوں کہ دور حاضر کے منافق ہمیشہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جو صفت اور کمال اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اسے کسی دوسرے کے لیے ثابت کرنا یا ماننا شرک ہے۔ یہ لوگ ذاتی اور عطائی کا فرق نہیں کرتے اور ہر معاملے کو ایک ہی نظریہ سے دیکھتے ہیں اور شرک ،شرک اور شرک ہی کا رونا روتے ہیں۔

اب ان منافقوں سے پوچھو کی قرآن مجید کی ان آیتوں کے بارے میں تمھارا کیا کہنا ہے؟

جن آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ”رؤف“ اور ”رحیم“ ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی ﷺ بھی ”رؤف“ اور ”رحیم“ ہیں۔ کیا معاذ اللہ قرآن مجید میں بھی تمھیں شرک کی بات نظر آتی ہے؟

ذرا غور سے دیکھو قرآن مجید میں جن صفتوں کو اللہ تعالیٰ کی صفتیں بتائی گئی ہے، ان ہی صفتوں کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے رسول کی بھی صفتیں بتائی گئی ہیں۔ بولو خاموش کیوں ہو؟ حالاں کہ تمھارے اصول کے مطابق تو یہ شرک ہی ہے، لیکن یہاں قرآن مجید کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کو کھلم کھلا جھٹلانے کی تمھاری ہمت نہیں۔ اب جھٹلا نہیں سکتے تو قبول تو کرلو، یقین رکھو کہ قرآن مجید کبھی بھی شرک کی تعلیم نہیں دیتا۔ کیوں کہ قرآن مجید شرک کو مٹانے کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ اس لیے اب تمھیں حقیقت اور مجاز کا، ذاتی اور عطائی کا فرق کرنا ہوگا۔

بے شک اللہ تعالیٰ ”رؤف“ اور ”رحیم“ ہے، بے شک اللہ تعالیٰ کے محبوب اکرم ﷺ بھی ”رؤف“ اور ”رحیم“ ہیں۔

لیکن ......

یہاں ذاتی اور عطائی کا فرق ہے۔

یعنی حقیقی اور ذاتی، رؤف و رحیم رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم ﷺ کو اپنی عطا اور نوازش سے رؤف اور رحیم بنایا ہے۔

اگر......

حقیقت، مجاز اور ذاتی، عطائی کا فرق سمجھ میں آ گیا، تو توحید اور رسالت کے تعلق سے تمام مسائل حل ہو جائیں گے، مثلاً علم غیب، حاضر و ناظر، تصرف، مشکل کشائی، اختیارات وغیرہ کے تعلق سے جتنے بھی اختلافی مسائل ہیں، وہ آسانی سے سمجھ میں آ جائیں گے اور توحید کا اجالا ایسا پھیلے گا کہ نور ایمان کی روشنی اور حلاوت حاصل ہوگی اور شرک کا اندھیرا دور ہو جائے گا۔

اور اگر ......

حقیقت، مجاز اور ذاتی، عطائی کا فرق سمجھنے کی صلاحیت نہیں، تو ہر معاملے میں شرک کے شرارے ہی نظر آئیں گے اور پھر وہ شرارے آہستہ آہستہ کوہ آتش فشاں بن کر ایمان کو جلا کر راکھ کر دیں گے اور ہر طرف اندھیرا چھا جائے گا اور اس اندھیرے میں بھٹک کر توہین رسول کے کفر کے گہرے اور اندھیرے کنوئیں میں جا گرو گے۔

اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ''کریم'' کے تعلق سے تفصیلی بحث

اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام قرآن مجید خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ عربی زبان کی لغت کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ ہر لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور کئی الفاظ کے ایک معنی بھی ہوتے ہیں۔

جس لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں ایسے لفظ کا موزوں اور قطعی معنی جاننے کے لیے ضروری ہے کہ واقعہ کی نوعیت، محل و موقع، انداز بیان، مخاطب اور مخاطب کی حیثیت، حقیقت اور مجاز، طنز، استفہام، مبتدا اور خبر، شرط اور جزا، اطناب و ایجاز، تذلیل اور تکریم، وعید اور بشارت، زجر اور تنبیہ، طور طریقہ، تشبیہ، تمثیل، استعارہ، وغیرہ کو نظر کے سامنے رکھنا ضروری ہے اور ساتھ میں اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ آیت کی تفسیر اور تفسیر میں اگر کسی واقعہ کا ذکر ہے تو یہ تحقیق کرنا بھی ضروری ہے کہ اصل واقعہ کیا ہے ؟ اس کے بعد ہی قرآن مجید کی آیت میں وارد لفظ کا ترجمہ کیا جائے گا۔

اگر ان سب باتوں کا التزام نہ کیا گیا اور آیت میں وارد لفظ کا لغت سے ظاہری ترجمہ کیا گیا تو اصل مقصد، معنی، مطلب اور مراد حاصل نہیں ہو سکتی۔

شاید یہ عنوان سمجھنے میں قارئین حضرات کو دشواری ہوگی، لیکن اب ہم قرآن مجید میں جو مثالیں پیش کرنے جا رہے ہیں، انھیں پڑھ کر یہ عنوان بہت اچھی طرح سمجھ میں آ جائے گا اور اس عنوان سے مثال میں پیش کی جانے والی آیتِ قرآن ایسی سمجھ میں آ کر یاد ہو جائے گی کہ آپ اس عنوان پر بحث کرنے کی استطاعت اور صلاحیت حاصل کر لیں گے۔

مثال کے طور پر لفظ ''کریم'' قرآن مجید میں کل **۲۳** تیئیس مرتبہ استعمال ہوا ہے، حالاں کہ کریم اللہ تعالیٰ کی صفت اور صفاتی نام ہے۔ لغت میں لفظ **''کریم''** کا مطلب **''کرم والا''** اور **''عزت والا''** ہوتا ہے لیکن آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یہی لفظ کریم کا استعمال قرآن مجید میں ابوجہل جیسے کافر کے لیے بھی ہوا ہے، بلکہ کئی اور چیزوں، کلام، فرشتے وغیرہ کو بھی کریم صفت سے مخاطب کیا گیا ہے، کچھ آیتیں پیش خدمت ہیں:

اللہ تعالیٰ کریم ہے :

آیت شریف :

﴿یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ﴾ (پارہ ۳۰، سورۃ الانفطار، آیت ۶)

ترجمہ :

''اے آدمی! تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے۔'' (کنز الایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک صفت کریم یعنی کرم والا کا ذکر ہے۔ اب آیئے، یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کن کن کو قرآن مجید میں لفظ کریم سے مخاطب کیا گیا ہے اور کیوں کیا گیا ہے؟

حضرت موسیٰ کو ''کریم'' کہا گیا ہے :

آیت شریف :

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّاقَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَ هُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ﴾

(پارہ نمبر ۲۵، سورہ دخان، آیت نمبر ۱۷)

ترجمہ :

''بے شک ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو جانچا اور ان کے پاس ایک معزز رسول تشریف لایا۔'' (کنزالایمان)

تفسیر :

اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ

''یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام'' (حوالہ: تفسیر خزائن العرفان، صفحہ نمبر: ۷۹۰)

حل لغت

- معزز : عزت دار، باوقعت، بڑا بزرگ، بڑا شریف (حوالہ: فیروز اللغات، صفحہ نمبر ۱۲۶۴)

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کریم کی صفت سے متصف فرمایا گیا ہے۔ حالاں کہ کریم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ لیکن اسی صفت کا حضرت موسیٰ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت میں شریک ہیں۔ اگر کوئی بیوقوف قرآن مجید کی آیت کے لفظ کے ظاہری معنی کو لیکر حضرت موسیٰ کے لیے قرآن میں آئی ہوئی صفت ''کریم'' کو معاذ اللہ ''ذاتی صفت'' مانے گا، تو یقیناً اس کا ماننا شرک ہوگا۔ اس کا ایسا ماننا شرک کب ہوا؟ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ صرف یہی ہے کہ اس نے ذاتی اور عطائی کا فرق نہ کیا، نتیجہ یہ آیا کہ وہ قرآن کی آیت کے مفہوم، مقصد اور مراد کو نہ سمجھ سکا، لہٰذا لفظ کریم کا صحیح معنی اور مطلب

آیت کے شان نزول اور تفسیر کو مد نظر رکھ کر ہی کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں واقعہ کی مناسبت سے ہی لغت میں وارد مختلف معنوں کے الفاظ میں سے موضوع لفظ کو ہی لیا جائے گا۔ اگر صرف ظاہری رائج و مشہور معنٰی کو لیکر آیت کا ترجمہ کیا جائے گا تو بڑی گڑبڑی ہوجائے گی۔

اس آیت میں جو لفظ کریم ہے وہ معزز کے معنی میں ہے۔ یعنی عزت دار، بڑا شریف، بزرگ، باوقعت کے معنی میں ہے۔

اب ایک مثال ایسی پیش ہے کہ آپ حیرت میں پڑ جائیں گے۔

ابوجہل کو بھی ''کریم'' کہا گیا ہے :

کافروں اور مشرکوں کے سردار، نبی کے دشمن، ابوجہل اور دیگر کافروں کے تعلق سے آیت کریمہ ہے کہ :

آیت شریف :

﴿خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ إِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝ ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ﴾ (پارہ ۲۵، سورۃ الدخان، آیت ۴۷، ۴۸، اور ۴۹)

ترجمہ :

''اسے پکڑو، ٹھیک بھڑکتی آگ کی طرف بزور گھسیٹتے لے جاؤ، پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے پانی کا عذاب ڈالو، چکھ ہاں ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔'' (کنزالایمان)

اس آیت میں ابوجہل جیسے کافروں کے سردار کو عزیز اور کریم کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ حالانکہ عزیز اور کریم یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔ ''عزیز'' کا مطلب عزت والا ہوتا ہے اور ''کریم'' کا مطلب کرم والا ہوتا ہے۔ اس آیت کا ترجمہ دیکھیں۔ اس آیت میں لفظ ''عزیز'' عزت والا کے معنی میں اور لفظ ''کریم'' کرم والا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ دونوں الفاظ کسی دوسرے معنی میں

استعمال نہیں ہوئے، بلکہ ظاہری اور مشہور معنی میں ہی استعمال ہوئے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ :

جب آیت میں ’’عزیز‘‘ عزت والا کے معنی میں اور ’’کریم‘‘ کرم والا کے معنی میں استعمال ہوا ہے، تو کیا واقعی ابوجہل کی عزیز اور کریم کی صفت سے عزت افزائی کی گئی ہے؟

ہرگز نہیں .....

بلکہ اسے طعنہ دے کر ذلیل کیا جارہا ہے، وہ کیسے ؟ وہ اس طرح کہ ابھی ہم نے آپ کو بتایا کہ قرآن مجید کی آیت کا صحیح مطلب، مفہوم، مراد اور مقصد کو سمجھنے کے لیے آیت کا شان نزول معلوم ہونا ضروری ہے اور اس کے لیے قرآن مجید کی تفسیر کی معلومات لازمی ہے۔

آیئے! قرآن مجید کی تفسیر کی روشنی میں اس آیت کا صحیح مطلب، مفہوم، مراد اور مقصد کو سمجھیں اور ہمارے سامنے جو پیچیدہ سوال کھڑا ہوا ہے کہ ابوجہل جیسے کافر کو قرآن میں عزیز اور کریم کیوں کہا گیا ہے؟ اس سوال کو حل کر کے اچھی طرح سمجھنے کی سعادت حاصل کریں۔

یہاں پر ہم تفسیر کی معتبر کتابوں میں سے صرف تین کتابوں کے حوالے پیش کر رہے ہیں، ان حوالوں کو پڑھنے سے پہلے اس آیت کا شان نزول بھی معلوم کرلیں۔

اس وقت ہم سورۂ دخان کی آیت نمبر ۴۹ یعنی ﴿ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ﴾ (چکھ ہاں، ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے) کے تعلق سے گفتگو کر رہے ہیں، اس آیت سے پہلے آیت نمبر ۴۳ سے آیت نمبر ۴۸ نازل ہوئی ہیں۔ ان آیتوں میں قیامت کے دن کے ہولناک منظر کا ذکر ہے اور خاص طور پر کافروں پر کیا گزرے گی؟ اس کا تفصیلی بیان ہے، وہ آیتیں ترجمہ کے ساتھ یہاں پیش ہیں۔

آیات شریف :

﴿اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۸﴾﴾ (پارہ ۲۵، سورۃ الدخان، آیت نمبر: ۴۳ تا ۴۸)

ترجمہ :

’’بے شک تھوہڑ کا پیڑ گنہ گاروں کی خوراک ہے، گلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے، جیسا کھولتا پانی جوش مارے، اسے پکڑو، ٹھیک بھڑکتی آگ کی طرف بزور گھسیٹتے لے جاؤ، پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے پانی کا عذاب ڈالو۔‘‘ (کنزالایمان)

ان آیتوں میں قیامت کے دن کافروں کو ذلیل اور رسوا کر کے عذاب دینے کا بیان ہے۔ جب یہ آیت نازل ہونے کی خبر ابوجہل کو ہوئی تو اس نے کہا کہ مکہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان بسنے والے لوگوں میں سب سے زیادہ عزت اور کرم والا شخص میں ہی ہوں۔

حوالہ نمبر ۱ :

﴿ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ﴾ أَیْ وَ یُقَالُ : أَوْ قُوْلُوْا لَهٗ ذٰلِكَ اِسْتِهْزَاءً وَ تَقْرِیْعًا عَلٰی مَا كَانَ یَزْعَمُهٗ.

أَخْرَجَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَغَیْرُهٗ عَنْ قَتَادَةِ قَالَ : لَمَّا نَزَلَتْ ﴿خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ إِلٰی سَوَاءِ الْجَحِیْمِ﴾ قَالَ أَبُوْ جَهْلٍ : مَا بَیْنَ جَبَلَیْهَا رَجُلٌ أَعَزُّ وَلَا أَكْرَمُ مِنِّیْ، فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی ﴿ذُقْ﴾ الخ

وَ أَخْرَجَ الْأُمَوِیُّ فِیْ مَغَازِیْهٖ عَنْ عِكْرَمَةِ أَنَّ أَبَا جَهْلٍ قَالَ لِلنَّبِیِّ ﷺ : مَا تَسْتَطِیْعُ لِیْ أَنْتَ وَلَا صَاحِبُكَ مِنْ شَیْءٍ لَقَدْ عَلِمْتَ اِنَّنِیْ أَمْنَعُ أَهْلَ بَطْحَاءِ وَ أَنَا

الْـعَـزِيْـزُ الْـكَـرِيْـمِ فَـقَـتَـلَـهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ يَوْمَ بَدرٍ وَ أَذِلَّهُ وَعَيَّرَهُ بِكَلِمَتِهٖ ﴿ذُقْ إِنَّكَ اَنْتَ الْـعَـزِيْـزُ الْكَرِيْمُ﴾ وَرُوِیَ أَنَّ اللَّعِيْنَ قَالَ يَوْمًا : يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَخْبِرُوْنِی مَا اِسْمِیْ فَذُكِرَتْ لَهُ ثَلَاثَةُ أَسْمَاءِ عُمَرَ وَالْجَلَّاسُ وَ أَبُو الْحَكَمِ فَقَالَ : مَا أَصَبْتُمْ اِسْمِی اِلَّا أَخْبَرَكُمْ بِهٖ ؟ قَالُوْا : بَلٰی قَالَ : اِسْمِی الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ، فَنَزِلَتْ۔

حوالہ : تفسیر روح المعانی جلد۱۳، مطبع دارالکتب العلمیۃ، بیروت، سورۃ الدخان آیت ۴۹، صفحہ۱۳۲

ترجمہ :

﴿ذُقْ إِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ﴾ یعنی اور کہا جائے گا اس کو (ابوجہل کو) استہزاءً (ہنسی اڑاتے ہوئے) اور ڈانتے ہوئے کہو، جو وہ اپنے لیے گمان کرتا تھا۔

روایت کیا عبدالرزاق اور دوسروں نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ جب آیت کریمہ ﴿خُذُوْہُ فَاعْتِلُوْہُ إِلیٰ سَوَاءِ الْجَحِیْمِ﴾ نازل ہوئی، تب ابوجہل نے کہا کہ ان دونوں پہاڑی کے درمیان مجھ سے زیادہ عزت دار اور کرم والا کوئی شخص نہیں۔ اس پر ﴿ذُقْ إِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ﴾ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اور حضرت اموی نے اپنی کتاب مغازی میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ابوجہل نے حضرت نبی کریم ﷺ سے کہا کہ تم اور تمھارا رب مجھ پر کوئی طاقت نہیں رکھتے ہو۔ تمھیں معلوم ہے کہ میں اہل بطحا (مکہ والوں) کو روک سکتا ہوں اور میں عزیز کریم یعنی عزت والا اور کرم والا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن اسے قتل فرمایا اور اسے ذلیل کیا اور اسے اپنے قول سے عار دلاتے ہوئے فرمایا کہ ﴿ذُقْ إِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ﴾ یعنی چکھ ہاں ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔

ایک اور روایت میں یہ ہے کہ ابوجہل لعین نے ایک دن اپنی قوم سے مخاطب ہوکر کہا کہ اے قریش کے لوگوں! میرا نام کیا ہے، وہ بتاؤ، لوگوں نے اس کے تین نام عمر، جلاس اور ابوالحکم بتائے، اس

پر ابوجہل نے کہا کہ تمھیں میرا صحیح نام نہیں معلوم ہے۔ کیا میں تمھیں اپنا نام بتاؤں؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں۔ ابوجہل نے کہا کہ میرا نام عزیز الکریم ہے۔ ابوجہل کے اس کہنے پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حوالہ نمبر : ۲

﴿ذُقْ إِنَّكَ اَنْـتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ﴾ وَذَكَرُوْا فِيْهِ وُجُوْهًا (الْأَوّلُ) أَنَّهُ يُخَاطِبُ بِذٰلِكَ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِسْتِهْزَاءِ، وَالْمُرَادُ إِنَّكَ أَنْتَ بِالضِّدِّ مِنْهُ

(وَالثَّانِیْ) أَنَّ أَبَا جَهْلٍ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ : مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا أَعَزُّ وَلَا أَكْرَمُ مِنِّیْ فَوَاللّٰهِ مَا تَسْتَطِيْعُ أَنْتَ وَلَا رَبُّكَ أَنْ تَفْعَلَا بِیْ شَيْئًا

(وَالثَّالِثُ) أَنَّكَ كُنْتَ تَعْتَزُّ لَا بِاللّٰهِ فَانْظُرْ مَا وَقَعْتَ فِيْهِ، وَقُرِئَ اِنَّكَ بِمَعْنِی لِأَنَّكَ.

حوالہ : مفاتیح الغیب المعروف بہ تفسیر امام فخر الرازی، جلد۱۴، مطبع دارالفکر، بیروت، سورۃ الدخان، آیت ۴۹، صفحہ:۲۵۳

ترجمہ :

آیت کریمہ ﴿ذُقْ إِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ﴾ کے تعلق سے مفسرین کرام نے چند وجوہات بتائے ہیں۔

(۱) ابوجہل سے یہ خطاب اس کا مذاق اڑانے کے لیے ہے۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ اس سے یہ کہا جارہا ہے کہ تو اپنے بارے میں جو کہتا تھا اس سے الٹا معاملہ ہے۔

(۲) ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ مکہ کے دو پہاڑوں کے درمیان مجھ سے زیادہ عزت والا اور کرم والا کوئی نہیں ہے۔ قسم ہے اللہ کی! تم اور تمھارا رب میرے ساتھ کچھ بھی کر سکنے کی طاقت نہیں رکھتے ہو۔ یعنی میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔

(۳) تو اپنے آپ کو خود عزت دیتا تھا،لیکن ایسا نہیں،قسم اللہ کی، دیکھ وہ جس میں تو گرفتار ہوا،یعنی جو تیرے ساتھ ہوا۔

حوالہ نمبر : ۳

﴿ذُقْ﴾ هذا العذاب المذل المهين ﴿إِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ﴾ فى نظرك ﴿الْكَرِيْمُ﴾ عند قومك : أى : و قولوا له ذلك استهزاء به ، و تقريعا له على ما كان يزعمه من أنه عزيز كريم ، فمعناه : الذليل المهان.

روى : أن أبا جهل قال لرسول الله ﷺ : ما بين جبلى مكة أعز و أكرم منى ، فوالله ما تستطيع أنت و لا ربك أن تفعل بى شيئا فوردت الآية وعيدا له و لأمثاله، عجبا كيف أقسم بالله تعظيما له، ثم نفى الاستطاعة عنه مع أن الرسول عليه السلام كان لا يدعو ربا سواه، فالكلام المذكور من حيرة الكفر و حكم الجهل و تعصب النفس ، كما قالو: ﴿أَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ﴾

حوالہ : تفسیر روح البیان،جلد۸،سورۃ الدخان،آیت ۴۹،صفحہ:۵۷۵، مطبع دار إحیاء التراث العربی، بیروت

ترجمہ :

"﴿ذُقْ﴾ یعنی چکھ! یہ ذلت کا عذاب! ﴿إِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ یعنی ہاں ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔خود اپنی ہی نظر میں۔ الکریم یعنی کرم والا تیری قوم کے لیے،یعنی یہ ابو جہل سے استہزاء کے طور پر کہو اور دھمکاتے ہوئے اس سے کہو، اس لیے کہ وہ یہ گمان کرتا تھا کہ وہ عزت والا اور کرم والا ہے اور اس طرح اسے کہنا، اسے ذلیل اور بے عزت کرنے کے لیے ہے۔

روایت ہے کہ ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ مکہ کے دو پہاڑوں کے درمیان سب

سے زیادہ عزت والا اور کرم والا شخص میں ہی ہوں۔ قسم خدا کی! تم اور تمھارا رب میرے ساتھ کچھ بھی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے یعنی میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ لہذا یہ آیت اس کے لیے وعید کے طور پر نازل ہوئی۔ تعجب ہے کہ وہ اللہ کی طاقت کو جھٹلاتا ہے اور اپنی تعظیم جتانے کے لیے اللہ کی قسم کھاتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے سوا کسی کی قسم نہیں کھاتے تھے، تو ابو جہل اسی رب کی قسم کھا کر اسی ہی رب کو جھٹلاتا ہے۔ پتہ چلا کہ ابو جہل کا یہ کلام کفر کی گہرائی، جہالت کی بولی اور ذاتی مخالفت کی بنا پر ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے نذر بن حارث نام کے کافر نے یہ کہا تھا کہ اے اللہ اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو ﴿أَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَآءِ﴾ یعنی تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔

یہ ہوئی ابو جہل کی دنیا میں ذلت اور رسوائی اور اب ہم اس کی قیامت کے دن ہونے والے ذلت دیکھیں۔

حوالہ نمبر : ۴

تفسیر خزائن العرفان، مفسر: حضرت صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی، سورۃ الدخان، آیت نمبر ۴۹، صفحہ نمبر ۴۹۲ میں ہے کہ:

"ملائکہ (فرشتے) یہ کلمہ (یعنی تو ہی بڑا اور کرم والا ہے) اہانت اور تذلیل کے لیے کہیں گے، کیوں کہ ابو جہل کہا کرتا تھا کہ بطحا (مکہ) میں میں بڑا عزت والا کرم والا ہوں، اس کو عذاب کے وقت طعنہ دیا جائے گا۔"

اب اس عنوان کی بحث کو بہت ہی غور و فکر کے ساتھ پڑھیں۔

قرآن مجید کی سورہ دخان کی آیت نمبر ۴۹ میں کافروں کے سردار ابو جہل کو عزیز اور کریم کہا گیا ہے۔ اس کا ہرگز، ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ابو جہل کو حقیقت میں "عزیز" یعنی عزت والا اور "کریم" یعنی کرم والا کہہ کر اس کی عزت افزائی اور تعریف کی گئی ہے، بلکہ اسے بے عزت اور رسوا کرنے کے لیے

طعنہ دیتے ہوئے طنزاً اعزیز اور کریم کہہ کر شرمندہ کیا گیا ہے۔ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اپنے کو سب سے زیادہ عزت اور کرم والا کہتا تھا، لیکن حالت یہ ہوئی کہ اس کی عزت مٹی میں ملا دی گئی ہے۔ عزت کا نام ونشان تک نہیں، عزت اور کرم کے بجائے ذلت اور رسوائی ہی ہے۔ اب اسے خود اس کا قول یاد دلا کر اسے طعنہ دیتے ہوئے عزیز اور کریم کہہ کر مزید بے عزت کیا جا رہا ہے۔

ایک مثال اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھنے میں بہت آسانی ہوگی :

مثال :

کسی شہر میں ایک شخص رہتا تھا، چہرے پر ڈاڑھی، سر پر ٹوپی، اسلامی لباس، ہاتھ میں ہر وقت تسبیح اور ورد وظائف جاری، پانچ وقت کی فرض نماز کے علاوہ چاشت، اشراق، اوابین، تہجد اور نفل نماز کا پابند، رمضان شریف کے علاوہ ہر مہینے ایام بیض کے نفل روزے، تلاوت قرآن میں زیادہ وقت صرف کرنا وغیرہ۔ مختصر یہ کہ شریعت کی پابندی کا ایسا نمونہ کہ پورے شہر میں وہ متقی اور پرہیزگار کی حیثیت سے مشہور تھا، ہر وقت وہ لوگوں کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی نصیحت کرتا تھا، لوگوں سے کہتا تھا کہ مجھ کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرو، اور اللہ کا خوف دل میں جما کر تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو، پورے شہر میں اس جیسا متقی اور پرہیزگار نہیں تھا۔

لیکن ......

ایک دن ایسا ہوا کہ اس کے شہر کے لوگوں نے اس کو قریب کے ایک شہر میں کسی رنڈی کے کوٹھے پر شراب کے نشے میں دھت ہو کر کسی بازاری عورت کے ساتھ کالا منہ کرتے ہوئے رنگے ہاتھ پکڑ لیا، دوسرے دن ان لوگوں نے اپنے شہر میں آ کر قوم کے پیشواؤں کے سامنے اس کی حقیقت بیان کی، قوم کے لوگوں نے پنچائیت بلائی اور شرعی ثبوتوں سے اس متقی کی پاپ لیلا کا پردہ چاک کیا۔ اب شہر کے ہر باشندے کو اس متقی صاحب کے کالے کرتوتوں کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ ایک وقت ایسا تھا کہ

پورے شہر کے لوگ اسے تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے عزت کی نظر سے دیکھتے تھے، مگر اب وہ لوگوں کی نظروں میں بے آبرو ہو گیا تھا، لوگ اب اسے نفرت اور ذلت کی نظر سے دیکھتے تھے، وہ اب جہاں بھی جاتا تھا، لوگ اس کا مذاق اڑاتے تھے اور اسے آیئے متقی صاحب، آیئے پرہیزگار صاحب کہہ کر استہزاء کرتے تھے اور اسے طعنہ دیتے تھے۔

اس ڈھونگی متقی کی پاپ لیلا کا پردہ چاک ہونے کے بعد اب لوگوں کا اسے متقی اور پرہیزگار کہہ کر مخاطب کرنا ہرگز اس کی عزت افزائی کے لیے نہیں بلکہ متقی اور پرہیزگار کہہ کر طعنہ دے کر استہزاء کرتے ہوئے اس کی فضیحت یعنی ذلیل کرنے کے لیے ہے۔

بلا مثال وتمثیل

کافروں کے سردار ابوجہل کو بھی طعنہ دیتے ہوئے اور اس کا مذاق اڑاتے ہوئے عزیز اور کریم کہہ کر اسے بے عزت، بے آبرو اور ذلیل کیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی جاہل ناصح آیت کے ظاہری الفاظ کے معنی ہی کو پکڑ رکھے اور آیت کے نازل ہونے کے سبب اور تفسیر سے بے خبر ہو کر درس قرآن دینے کی حرکت کرے گا، تو وہ ہدایت کے بدلے گمراہی ہی پھیلائے گا۔

قرآن میں کس کس کو کریم کہا گیا ہے؟

"کریم" اللہ کی صفت ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ہی مقدس کلام میں اوروں کو بھی کریم کہا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ابوجہل کے تعلق سے دو مثالیں پیش ہوئیں، اب کچھ مثالیں اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

قرآن کے لیے:

﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ﴾ (پارہ ۲۷، سورۃ الواقعہ، آیت ۷۷)

ترجمہ :

''بے شک یہ عزت والا قرآن ہے۔'' (کنزالایمان)

اس آیت میں عزت والا کے معنی میں لفظ کریم کا استعمال قرآن شریف کی صفت اور تعریف کے طور پر ہوا ہے۔

حضرت جبرئیل کے لیے :

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ﴾ (پارہ۳۰،سورۃ تکویر،آیت نمبر:۱۹)

ترجمہ : ''بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے۔'' (کنزالایمان)

تفسیر : یعنی حضرت جبریل علیہ السلام۔

حوالہ : (تفسیر خزائن العرفان، صفحہ نمبر ۹۳۸)

نوٹ : اس آیت میں رسول فرشتے کے معنی میں ہے۔

اس آیت میں لفظ کریم کا استعمال عزت والا کے معنی میں حضرت جبریل کی تعریف اور توصیف میں ہوا ہے۔

اجر (ثواب) کے لیے :

﴿ إِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴾ (پارہ۔۲۷،سورۃ الحدید،آیت نمبر:۱۸)

ترجمہ :

''بے شک،صدقہ دینے والے مرد،اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ جنھوں نے اللہ کو اچھا قرض دیا،ان کے لیے دونے ہیں اور ان کے لیے عزت کا ثواب ہے۔'' (کنزالایمان)

اس آیت میں لفظ کریم کا استعمال صدقہ اور خیرات کرنے والے مومنین کے اجر وثواب کو

سراہنے کے لیے عزت کا ثواب کے معنی میں کیا گیا ہے۔

سبزیوں (ترکاریوں) کے لیے :

﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ﴾ (پارہ:۲۱،سورۃ لقمان،آیت نمبر: ۱۰)

ترجمہ :

''اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا،تو زمین میں ہر نفیس جوڑا اگایا۔'' (کنزالایمان)

اس آیت میں لفظ کریم کا استعمال زمین سے اگنے والی سبزیوں اور ترکاریوں کی نفاست یعنی اس کی عمدگی اور پاکیزگی کے اظہار کے لیے کیا گیا ہے۔

فرعون کے مکانوں کے لیے:

جب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ سمندر میں غرق ہوگیا،تو ان کے ہرے بھرے باغ باغیچے، لہلاتے کھیت،عمدہ پانی کے چشمے،عیش وآرام کے سامان سے آراستہ اور عالی شان مکان اور دیگر مال و دولت مصر میں یوں ہی ویران پڑے ہوئے رہ گئے،اس واقعہ کا قرآن مجید میں اس طرح بیان ہے کہ:

﴿ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ۝ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ وَّ زُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ ﴾ (پار:۲۵،سورۃ الدخان،آیت نمبر:۲۴،تا۲۶)

ترجمہ :

''اور دریا کو یونہی جگہ جگہ سے کھلا چھوڑ دے، بے شک وہ لشکر ڈبویا جائے گا، کتنے چھوڑ گئے باغ اور چشمے،اور کھیت اور عمدہ مکانات۔'' (کنزالایمان)

اس آیت میں فرعون اور اس کی قوم کو عمدہ مکانوں کو ''مقام کریم'' کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔یعنی

قوم فرعون کے عمدہ مکانوں کے لیے بھی لفظ کریم کا استعمال کیا گیا ہے۔

حضرت یوسف کے لیے :

حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے بے مثال حسن و جمال اور خوبصورتی کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے آپ کے لیے ''ملک کریم'' کا جملہ استعمال کیا تھا، جس کا بیان قرآن مجید میں اس طرح ہے کہ :

﴿ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ ﴾ (پارہ ۱۲، سورۃ یوسف، آیت نمبر ۳۱)

ترجمہ : ''یہ تو نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ۔'' (کنز الایمان)

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی حیرت انگیز خوبصورتی اور حسن و جمال کا وصف بیان کرنے کے لیے معزز یعنی عزت دار کے معنی میں لفظ کریم کا استعمال کیا گیا ہے۔

جنت کے لیے :

قرآن مجید میں لفظ ''کریم'' کا استعمال جنت کو عزت کی جگہ کے وصف سے متصف کرنے کے لیے ''عزت'' کے معنی میں کیا گیا ہے۔

﴿ وَنُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلًا کَرِیْمًا ﴾ (پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۳۱)

ترجمہ : ''اور تمھیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔'' (کنز الایمان)

یہاں تک صرف لفظ ''کریم'' کے تعلق سے کل دس آیتیں پیش کی گئی ہیں، ایسی تو کئی اور آیتیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں، جن میں لفظ کریم کا استعمال موقع اور وقت کے اعتبار سے مختلف معنوں میں ہوا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا :

- حضرت موسیٰ اور
- حضرت یوسف علیہما الصلاۃ والسلام
- ابوجہل

- قرآن مجید
- حضرت جبریل
- اجر و ثواب
- زمین سے اُگنے والی سبزیاں
- فرعون کی قوم کے مکان
- جنت
- عرش اعظم
- رزق وغیرہ کو کریم کہا گیا ہے

حالانکہ کریم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، تو اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو قرآن میں کریم کہا گیا ہے، اگر ان کے لیے کریم کی صفت کا ذاتی اور حقیقی معنی لیا جائے گا، تو بڑی گڑبڑی پیدا ہو جائے گی۔ دور حاضر کے منافقوں کے ذریعہ طے شدہ مضحکہ خیز اصول پر اگر کوئی بھروسہ کرے گا۔ تو اسے قرآن میں بھی شرک کی چنگاریاں نظر آئے گی۔

جن کے دلوں میں ایمان اور عشق نبی ﷺ کا نور ہے، وہ ایسے مقام پر لفظ ''کریم'' کا مناسب مطلب اور صحیح تاویل کر کے قرآن کی آیت کا صحیح مطلب، مقصد اور مراد کو اخذ کرلے گا اور مناسب مطلب اور تاویل کرنا ضروری بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ''علیم'' یعنی جاننے والا

اللہ تعالیٰ کی صفت **''علیم''** یعنی جاننے والا ہے۔ اسی طرح ایک صفت **''عالم''** بھی ہے۔ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ قرآن مجید میں لفظ علیم کا کل ۱۴۰ (ایک سو چالیس) مرتبہ اور لفظ عالم کا ۱۳/ تیرہ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ یہاں پر ہم لفظ علیم اور عالم کے تعلق سے صرف ایک ایک آیت پیش کرتے ہیں۔

آیت شریف :

﴿ وَاتَّقُوااللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ہ﴾ (پارہ٦،سورۃ المائدہ،آیت:٧)

ترجمہ : ''اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ دلوں کی بات جانتا ہے۔'' (کنزالایمان)

اس آیت میں ''علیم'' یعنی جاننے والا کا استعمال اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر ہوا ہے۔

آیت شریف :

﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَالشَّهٰدَةِ ہ﴾ (پارہ:٢٨،سورۃ الحشر،آیت:٢٢)

ترجمہ : ''وہی اللہ ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر نہاں وعیاں کا جاننے والا۔'' (کنزالایمان)

اس آیت میں لفظ عالم یعنی جاننے والا کا استعمال اللہ کی صفت کے لیے ہوا ہے۔

قرآن میں کس کس کو علیم کہا گیا ہے ؟

''علیم'' یعنی جاننے والا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت ''ذاتی'' ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت کا کسی دوسرے کے لیے ذاتی طور پر ماننا ضرور شرک ہے۔ یعنی اگر کسی کے لیے یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اپنی ذات سے جاننے والا ہے یا جاننے کی صفت اس کی ذاتی ہے، تو یہ عقیدہ بے شک شرک ہے۔ لیکن اگر یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جاننے کی اس کی صفت عطائی ہے۔ یعنی یہ جو کچھ بھی جانتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا یعنی دینے سے یا بتانے سے جانتا ہے، تو ہرگز شرک نہیں۔

آیئے! قرآن کی چندان آیتوں کی تلاوت کا شرف حاصل کریں، جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسروں کو بھی ''علیم'' کہا گیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو :

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں اقتصادی اور انتظامی امور کے سلسلے میں مصر کے بادشاہ سے فرمایا کہ حکومت کے خزانے میرے حوالے کر دیے جائیں، کیوں کہ میں ان معاملات میں علیم یعنی

جاننے والا ہوں، حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی اس پیش کش کا اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام قرآن مجید میں اس طرح ذکر ہے کہ :-

آیت شریف :

﴿قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ط اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ﴾ (پارہ:١٣،سورۂ یوسف، آیت نمبر:٥٥)

ترجمہ : ''یوسف نے کہا مجھے زمین کے خزانہ پر کر دے، بے شک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔'' (کنزالایمان)

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا مقولہ ذکر فرمایا گیا ہے، حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام اپنے آپ کو علیم کہہ رہے ہیں، وہ بھی کس انداز میں ''اِنِّیۡ'' لفظ کا شروع میں استعمال فرمایا، یعنی بے شک میں علیم ہوں۔

اب ذرا سوچو! علیم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، یہ عقیدہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو اچھی طرح معلوم تھا، کیوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان رسول ہیں اور اللہ کی کسی بھی صفت کا کسی دوسرے کے لیے استعمال کرنا شرک ہے، پھر بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے لیے علیم صفت کا کیوں استعمال کیا؟ جواب صاف ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو توحید اور شرک کے تمام قانون معلوم تھے، انھوں نے ''ذاتی'' اور ''عطائی'' کا فرق کر کے ہی اپنے آپ کو علیم کہا ہے۔ یعنی میں اللہ کی عطا سے علیم ہوں۔ میرا علیم یعنی جاننے والا، علم والا ہونا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے، ذاتی نہیں، لہٰذا یہاں پر ماننا پڑے گا کہ اس آیت میں حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے علیم صفت کا جو استعمال ہوا ہے، وہ ذاتی صفت نہیں، بلکہ عطائی صفت ہے، اور یہ شرک نہیں، یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اگر کوئی کام ہے تو وہ شرک ہے، شرک کا

کوئی بھی کام، قول یا عقیدہ ایمان کو برباد کر دیتا ہے۔ شرک کی وجہ سے توحید کا عقیدہ ختم ہو جاتا ہے۔ اگر حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے قول ''بے شک میں علیم ہوں'' میں ذرا برابر بھی شرک کا دور کا بھی واسطہ یا اندیشہ ہوتا، تو حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے اس قول کی قرآن مجید میں سراہنا کر کے بیان نہ کیا جاتا۔ ثابت ہوا کہ بے شک ''علیم'' اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے، مگر پھر بھی اس صفت کا دوسرے معانی میں اور عطائی صفت کے طور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے اور یہ شرک نہیں۔

اب ذرا علم کے تعلق سے تھوڑی گفتگو کریں، علم کے بے شمار اقسام ہیں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں انسان، جنات، فرشتے، حور، غلمان اور بے شمار جانور اور ذی روح ہیں، صرف انسان کے بھی کئی اقسام ہیں، مومن، کافر، مشرک، یہودی، نصرانی، مجوس، ناستک وغیرہ۔ صرف مومن میں بھی کئی اقسام اور درجات کے لوگ ہیں، نبی، رسول، ولی، غوث، قطب، ابدال، سالک، مجذوب، حافظ، قاری، عالم، مفتی، محدث، مقرر، مجتہد، مستنبط، مفسر، معرب، متقی، مجدد، پرہیزگار، نیک، بد، فاسق، فاجر، شرابی، جواری، زانی، چور، ڈاکو، لٹیرے، وغیرہ بے شمار اقسام کے لوگ ہیں۔ ان تمام میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی علم یا ہنر عطا فرمایا ہے۔

ہر شخص میں کوئی نہ کوئی ہنر اور کمال ضرور ہوتا ہے۔ چاہے وہ پڑھا لکھا ہو چاہے ان پڑھ ہو، عالم میں علم کے تعلق سے کمال ہوتا ہے۔ جب کہ جاہل میں دوسری طرح کا کمال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک ان پڑھ اور جاہل شخص اپنے اور اپنے خاندان کے خرد ونوش اور زندگی گزارنے کے لیے مزدوری کا پیشہ اختیار کرتا ہے۔ عام طور سے عام آدمی ۵/ پانچ من (100 Kg) کی چاول کی بوری اٹھا نہیں سکتا، پڑھا لکھا شخص تو اسے ہلا بھی نہیں سکتا لیکن وہ مزدور شخص آسانی سے اپنے کندھے پر اٹھا کر چل دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے علم کے ہنر سے محروم رکھا تو قوت اور طاقت کا کمال عطا فرما دیا۔

اب ذرا غور کرو، اللہ تعالیٰ ایک صفاتی نام ''قوی'' یعنی ''قوت والا'' ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ نام

قرآن شریف میں الگ الگ معنوں میں کل دس مرتبہ آیا ہے۔ اب اگر 100 گرام کی چاول کی بوری کو آسانی سے کندھے پر اٹھانے والے مزدور کو کوئی یہ کہے کہ ''یہ مزدور بہت قوت والا ہے'' تو کیا اس کہنے والے پر ''شرک کا فتویٰ'' لگا دیا جائے گا۔ حالاں کہ ''قوت والا'' اللہ کی صفت ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں تو یہاں تک ارشاد ہے کہ :

آیت شریف :

﴿إِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ (پارہ:۲، سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۱۶۵)

ترجمہ : ''اس لیے کہ سارا زور خدا کو ہے۔'' (کنز الایمان)

اس آیت میں تو سارا زور یعنی قوت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہونا بتایا گیا ہے۔ لیکن یہاں پر جو قوت اور طاقت کا بیان ہے، وہ ذاتی اور ۱۰۰ گرامی کی چاول کی بوری اٹھانے والے مزدور کی قوت اور طاقت کا جو ذکر ہوا، وہ ''عطائی'' ہے۔ جب ہم نے ذاتی اور عطائی کا فرق کر دیا تو اب ''شرک'' کا کوئی اندیشہ نہیں، اس مزدور میں ضرور قوت اور طاقت ہے، لیکن اس کی یہ قوت اور طاقت اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہونے کی وجہ سے ذاتی نہیں، بلکہ عطائی ہے۔

البتہ، اگر کوئی یہ کہے کہ مجھ میں جو بھی قوت اور طاقت ہے، وہ ذاتی ہے، عطائی نہیں، تو بے شک اس نے شرک کی بات کہی، لیکن اگر اس نے اپنی قوت اور طاقت کو اللہ کی جانب سے کہی، تو اب اس کا یہ کہنا ہرگز شرک نہیں، بلکہ قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ:

آیت شریف :

﴿قُلْتَ مَاشَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (پارہ ۱۵، سورۃ الکہف، آیت:۳۹)

ترجمہ : ''تو کہا ہوتا جو چاہے اللہ، ہمیں کچھ زور نہیں، مگر اللہ کی مدد کا۔'' (کنز الایمان)

ثابت ہوا کہ اپنی قوت اور طاقت، یا اسی طرح کا کوئی کمال اپنے اندر اللہ کی عطا سے ہونے کا

دعویٰ کرنا ہرگز شرک نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ ''قوی'' ہے اور اللہ تعالیٰ کا قوی ہونا یعنی طاقت والا ہونا، ''ذاتی'' ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس ذاتی صفت کو عطائی طور پر بندے کے لیے ثابت کرنا جب شرک نہیں اور ایک مزدور شخص کو ہم قوت اور طاقت والا کہہ سکتے ہیں، تو اللہ کی صفت عالم اور علیم یعنی جاننے والا کو عطائی طور پر کسی نبی یا ولی کے لیے ماننا بھی ہرگز شرک نہیں۔ جب اللہ کی عطا اور عنایت سے نبی اور ولی علیم اور عالم ہیں، تو ان کے لیے ''علم غیب'' ماننا بھی شرک نہیں۔

لیکن افسوس کہ ......

آج کل ہر جگہ دور حاضر کے منافق لوگ نبی اور ولی کے علم کے تعلق سے ہنگامہ مچا رہے ہیں، اور نبی اور ولی کے لیے علیم اور عالم ہونے کے عقیدے کو شرک کا فتویٰ لگاتے ہیں، کسی نبی یا ولی کے علم اور اس کے علم کی وسعت کے تعلق سے کسی نے کوئی بات کہی تو فوراً ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔ لال پیلے ہو کر چلاتے ہیں کہ شرک ہو گیا، ہائے ہائے، شرک ہو گیا۔ حالاں کہ شرک کا فتویٰ لگانے والے ایسے جاہل ہوتے ہیں کہ ان کو شرک کا صحیح تلفظ بھی نہیں آتا اور شرک کو شِرَک بولتے ہیں۔

جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ جناب شرک کیوں اور کیسے ہو گیا ؟ تو وہ گھسا گھسایا اور چبا چبایا پرانا ایک ہی جواب دیتے ہیں کہ علم غیب صرف اللہ کو ہی ہے، اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لیے ''علم غیب'' ہونے کا قرآن میں انکار کیا گیا ہے۔ علیم اللہ کی صفت ہے، عالم اللہ کی صفت ہے۔ اللہ کی اس صفت کا کسی دوسرے کے لیے استعمال کرنا شرک ہے۔

اس طرح کی بے بنیاد باتیں کہہ کر شرک کے نام سے لوگوں کو ڈراتے ہیں، نبی اور ولی کے لیے عطائی صفت ''علیم'' کا استعمال کرنے پر ان کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ لیکن ان کو یہ معلوم کر کے شاید 440 ڈولٹ کا جھٹکا لگے گا کہ قرآن مجید میں فرعون کے جادوگروں کو بھی علیم کہا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے خداداد معجزات کو جادو میں شمار کر کے فرعون نے ملک بھر کے جادوگروں کو آپ سے مقابلہ کرنے کے لیے جمع کیا۔ اس واقعہ کا قرآن مجید میں اس طرح بیان ہے کہ :

آیت شریف :

﴿يَأْتُوكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيمٍ﴾ (پارہ:۹، سورۃ اعراف، آیت نمبر:۱۱۲)

ترجمہ : ''کہ ہر علم والے جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں۔'' (کنزالایمان)

اس آیت میں فرعون کے جادوگروں کو علیم کہا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں پر کوئی صاحب یہ اعتراض کرے کہ یہاں پر فرعون کے جادوگروں کو اللہ تعالیٰ نے علیم کے خطاب سے نہیں نوازا ہے، بلکہ یہاں پر فرعون کے درباریوں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے مقابلہ میں ساحر علیم یعنی علم والے جادوگروں کو جمع کرنا چاہیئے۔ اس آیت میں ان جادوگروں کو اللہ تعالیٰ نے علیم نہیں کہا۔

آیئے !

اب ہم قرآن مجید کی ایک ایسی آیت کریمہ کی تلاوت کر رہے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے علم والے بندوں کو ''علیم'' فرمایا ہے۔ ماضی کے کسی واقعہ کے ضمن میں کسی کا مقولہ نقل نہیں کیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا صاف اور صریح مقدس ارشاد ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعام و اکرام کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

آیت شریف :

﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ط وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾

(پارہ:۱۳، سورۃ یوسف، آیت:۷۶)

ترجمہ : ''ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔'' (کنزالایمان)

تفسیر :

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہر آدمی کے اوپر اس سے زیادہ علم رکھنے والا عالم ہوتا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، صفحہ:۳۹۱)

اس آیت سے اور اس کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ہر عالم سے بڑھ چڑھ کر زیادہ علم والا کوئی ضرور ہوتا ہے۔ ایسے زیادہ علم والے شخص کو قرآن مجید میں ''علیم'' فرمایا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ علیم ہے، وہ علیم رب ہی اپنے زیادہ علم والے بندوں کو علیم فرما رہا ہے۔ ثابت ہوا کہ:

اللہ تعالیٰ بھی ''علیم'' اور اللہ تعالیٰ کے بندے بھی ''علیم''

یہ جملہ پڑھ کر شاید کسی منافق زمانہ کی آنکھ سے لہو ٹپکنے لگے اور وہ چیخ چیخ کر شرک، شرک، شرک کا رونا رونے لگے۔

لیکن ....!!!

یہاں شرک تو کیا؟ شرک کا ادنی شبہ بھی نہیں۔ کیوں کہ یہاں دونوں علیم اور علیم میں زمین اور آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ:

- اللہ تعالیٰ علیم ہے، اس کا علم ذاتی اور حقیقی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ حقیقی علیم ہے۔ کیوں کہ اس کا علم ابدی، ازلی، اور سرمدی یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔
- بندہ بھی علیم ہے۔ اس کا علم ذاتی اور حقیقی نہیں، لہذا بندہ عطائی اور مجازی علیم ہے۔ کیوں کہ اس کا علم حادث، فانی اور غیر سرمدی یعنی فنا ہونے والا ہے، پہلے نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دینے اور بتانے سے حاصل ہوا ہے۔

مقام غور وفکر

یہاں تک ہم اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام وھاب، معطی، سمیع، بصیر، محی، رؤف، رحیم، کریم، عالم، اور علیم کے تعلق سے قرآن مجید کی آیتوں کی روشنی میں تفصیلی گفتگو کر کے ذاتی اور عطائی کا فرق اچھی طرح سمجھا چکے ہیں۔ اس عنوان پر اب مزید گفتگو کرتے ہوئے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ:

- بے شک! قرآن مجید ہدایت اور نور ہے۔ قرآن مجید کی ہدایت اور نور اسے ہی حاصل ہو سکتا ہے، جو محبت رسول کی نگاہ سے قرآن کی آیتوں کے معنی، مطلب، مقصد اور مراد کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔
- اگر قرآن مجید کی آیتوں کے صرف ظاہری معنی اور لفظی ترجمہ کو ہی کوئی شخص لپٹ اور چپک رہے اور آیت کا مطلب نکالنے یا سمجھنے کی کوشش کرے گا، تو وہ کیا کا کیا مطلب سمجھے گا اور ہدایت کا نور حاصل کرنے کے بدلے گمراہی کے اندھیرے میں بھٹکتا رہے گا۔
- قرآن مجید کی آیت کا صحیح معنی، مطلب، مقصد، اور مراد کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ طے کرنا ضرور ہے کہ یہ آیت کون سی قسم سے ہے۔ کیوں کہ قرآن کی آیت کی کئی قسم ہیں:

مثلاً ● آیات محکمات ● آیات متشابہات ● آیات مبہمات ● آیات مقدمات ● آیات مؤخرات ● آیات عامات ● آیات خاصات ● آیات ناسخات ● آیات منسوخات ● آیات مجملات ● آیات مبینات ● آیات مطلقات ● آیات منظوفات ● آیات معطوفات وغیرہ وغیرہ۔

- قرآن مجید کی آیت طے کر لینے کے بعد اب یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ یعنی یہ آیت کیوں نازل ہوئی؟ کب نازل ہوئی؟ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ اور یہ سب معلومات حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید کی تفسیر جاننا ضروری ہے۔
- قرآن مجید کی تفسیر کے بھی کئی اقسام ہیں :

تفسیر قرآن از قرآن :

یعنی قرآن مجید کی بعض آیتوں کی تفسیر قرآن مجید کی بعض آیتوں سے معلوم کی جاسکتی ہیں، بلکہ حقیقت میں قرآن کی بعض آیتیں بعض آیتوں کی تفسیر ہوتی ہیں۔

تفسیر قرآن از حدیث :

یعنی حدیثوں سے قرآن کی تفسیر معلوم کرنا۔

تفسیر قرآن از صحابہ کرام :

یعنی صحابہ کام نے کسی آیت کی تفسیر کو حضور اقدس ﷺ سے سنا اور اچھی طرح سمجھا، پھر انھوں نے وہ تفسیر دوسرے صحابی اور تابعی کو سنائی اور سمجھائی۔

تفسیر قرآن از تابعین :

یعنی وہ تفسیر جو تابعین کرام نے صحابہ کرام کی مقدس جماعت سے سن کر اور سمجھ کر نقل کی۔

تابعین کے زمانہ کے بعد کے مفسرین :

یعنی تابعین کرام کے زمانے کے بعد تبع تابعین اور بعد کے علماء نے صحابہ اور تابعین سے جو تفسیر قولی روایت کر دی تھی ان کو قلم بند کیا اور ایک حرف کا بھی فرق نہ کیا، خاص کر تبع تابعین کے زمانے کے فوراً بعد کے زمانہ کے علماء نے فن تفسیر اور اصول تفسیر کے تعلق سے ایسی مستند اور معتبر ضخیم تفسیر کی کتابیں لکھیں، جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مثلاً
: تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر نیشا پوری، تفسیر ابن حبان، تفسیر ابن منذر وغیرہ۔
(حوالہ: طبقات المفسرین، از: امام المفسرین، خاتم الحفاظ، امام جلال الدین بن عبد الرحمٰن کمال بن ابی بکر السیوطی ۹۱۱ھ)

- اس کے بعد آیت کا اندازِ بیان، حقیقت اور مجاز کا فرق، ذاتی اور عطائی کا امتیاز، اور دیگر

ضروری امور جو ہم نے اوراق سابقہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ ان سب کا التزام کرنا ضروری ہے۔

- حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن مجید کو صحیح معنی، مطلب اور مراد میں سمجھنے کے لیے وسیع علم کی ضرورت ہے، صرف لفظی اور ظاہری معنی کی معلومات حاصل ہو جانے پر اگر کوئی شخص یہ گمان کرے کہ میں قرآن کو سمجھنے میں ماہر ہو گیا ہوں، تو ایسا شخص گمراہ ہو جائے گا، جیسا کہ دور حاضر کے منافق گمراہ ہوئے۔
- دور حاضر کے منافقوں کے گمراہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے ہر معاملہ کو تنگ نظری سے دیکھا اور اسلام کے وسیع النظر دائرے کو بھی تنگ کر دیا، حقیقت اور مجاز، ذاتی اور عطائی، خالق اور مخلوق کی صفت کا فرق اور امتیاز کرنے کے بجائے ہر معاملے کو حقیقی اور ذاتی سمجھا اور اللہ تعالیٰ کی توحید پرستی کے غلط وہم اور گمان میں شرک کا فتویٰ تھوپا، توحید کی آڑ میں توہین نبی کا جرم کیا۔
- خود کو سچے "مؤحد" یعنی اللہ کو ایک اور بے مثال ماننے کے بھرم میں اللہ کے محبوب بندوں کے علم، اختیارات اور دیگر کمالات کا صرف اس لیے انکار کیا کہ اگر رسول کے لیے علم غیب مانا تو یہ کھلم کھلا شرک ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ علم غیب کا جاننے والا ہے۔ اگر رسول کے لیے بھی علم غیب مانا، تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مساوات اور ہمسری ہوگئی اور یہ شرک ہو گیا۔

انھوں نے حقیقت اور مجاز نیز ذاتی اور عطائی کا فرق نہ کیا، نہ سمجھا اور نہ ہی اس فرق کو سمجھنے کی کوشش کی، بلکہ صرف ذاتی اور حقیقی صفت الٰہی کا ہی گمان کیا اور شرک کے فتوے کا دھما کا کر دیا۔ اگر ہر معاملہ کو ذاتی اور حقیقی صفت پر ہی گمان کیا جائے گا تو پھر کسی کا بھی ایمان سلامت نہیں رہے گا۔

مثلاً :

کیا سب لوگ روزانہ شرک کی بولی بولتے ھیں ، اور مشرک ھیں؟

اگر ہم ذاتی اور عطائی کا فرق نہیں کریں گے اور ہر معاملہ کو ذاتی اور حقیقی معنوں پر ہی محمول کریں گے اور توحید نیز شرک کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر ہر معاملہ کو صرف حقیقی اور ذاتی صفت کے مطلب میں ہی دیکھیں، تو شاید ہی کوئی مومن شرک کے فتویٰ سے بچے گا۔ کیوں کہ ہم اپنی روزانہ کی گفتگو میں ایسے جملے اور الفاظ عام طور پر بولتے ہیں لیکن ہمارا ان جملوں اور لفظوں کا بولنا اور سننا عطائی اور مجازی معنوں میں ہی ہوتا ہے۔ ذاتی اور حقیقی معنوں میں ہرگز نہیں بولتے، اگر ہم نے ان الفاظ اور جملوں کو حقیقی اور ذاتی صفت کے طور پر لیا تو یہ نتیجہ آئے گا کہ ہر آدمی کے گلے میں شرک کے فتوے کا تمغہ لٹکانا پڑے گا۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

بیماری کا علاج کرنے والے حکیم صاحب:

یونانی جڑی بوٹیوں اور دواؤں سے بیمار کا علاج کرنے والے کو ہم ''حکیم'' کہتے ہیں۔ بلکہ حکیم لفظ اور لقب کو ہم عام طور پر بولتے ہیں۔ ● میں حکیم صاحب کے پاس دوا لینے جاتا ہوں۔ ● آیئے حکیم صاحب، تشریف لایئے، جیسے جملے اپنی روزمرہ کی گفتگو میں بولتے ہیں، حالانکہ ''حکیم'' اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ قرآن مجید میں لفظ ''حکیم'' اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ ''حکیم'' ۸۱/ اکیاسی مرتبہ اور ''حکیما'' ۱۶/ سولہ مرتبہ ملا کر کل ۹۷/ ستانوے مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

مذہبی معلومات رکھنے والے مولانا صاحب :

قرآن مجید میں اللہ کے لیے ''مولانا'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جیسے کہ :

آیت شریف :

﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وقفة وَاغْفِرْ لَنَا وقفة وَارْحَمْنَا وقفة

اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ﴾ (پارہ ۳، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر: ۲۸۶)

ترجمہ :

''اے رب ہمارے! اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں سہار نہ ہو، اور ہمیں معاف فرمادے، اور بخش دے، اور ہم پر مہر کر، تو ہمارا مولا ہے، تو کافروں پر ہمیں مدد دے۔'' (کنزالایمان)

لیکن ......

● مسجد کے امام صاحب کو ● دارالعلوم کے مدرس کو ● مکتب میں بچوں کو قرآن شریف پڑھانے سکھانے والے کو ● وعظ اور تقریر کرنے والے مقرر کو ● نکاح پڑھانے والے کو اور ● داڑھی رکھنے اور اسلامی لباس اور اسلامی طور طریقے اپنانے والے بہت سارے لوگوں کو ''مولانا'' اور ''مولانا صاحب'' کہہ کر پکارتے ہیں، یا مخاطب کرتے ہیں۔

مُصَوِّرْ (Painter) کو :

اللہ کا ایک صفاتی نام ''مُصَوِّرْ'' یعنی صورت بنانے/ دینے والا۔ جیسا کہ:

آیت شریف :

﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی﴾ (پارہ ۲۸، سورۃ الحشر، آیت: ۲۴)

ترجمہ :

''وہی ہے اللہ بنانے والا، پیدا کرنے والا، ہر ایک کو صورت دینے والا۔'' (کنزالایمان)

حالاں کہ جان داروں کی تصویر بنانے والے پینٹر کو ہم ''مُصَوِّر'' کہتے ہیں۔

کسی کی مدد کرنے والے کو :

اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ''ناصر'' یعنی مددگار (مدد کرنے والا) ہے۔ قرآن مجید میں لفظِ ''ناصر'' اللہ کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

لیکن ہم اپنی روزانہ کی گفتگو میں ● غریب کو اور حاجت مندوں کی مدد کرنے والے سخی آدمی کے لیے کہتے ہیں کہ یہ شخص غریبوں ''ناصر'' یعنی مددگار ہے۔ ● دینی کام کرنے والے کو ہم ''ناصر دین وملت'' کہتے ہیں۔

ایسی تو کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، ان تمام مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ:

☆ **جب کسی صفت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی جاتی ہے، تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ذاتی، حقیقی، ازلی، ابدی، سرمدی، دائمی، باقی، غیر فانی، دوامی، جاویدانی، قدیمی، مستقل، غیر حادث، برقرار، کامل، اکمل، بے عیب، غیر منقسم (نقصان بغیرکی) لامحدود، محیط، غیر مخلوق، محال لغیرہ، غیر متناہی اور واجب ہے۔**

☆ **جب اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ میں سے کسی صفت کو کسی مخلوق کی طرف منسوب کی جاتی ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ بندے کی یہ صفت عطائی، مجازی، عارضی، فانی، حادث، ناقص، محدود، مخلوق، ممکن، متناہی، غیر محیط، منقسم، غیر باقی، غیر جاویدانی اور غیر قدیم ہے۔**

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے بندے کو یہ صفت، خوبی، فن، ہنر اور کمال عطا کیا اور بندہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ان عطائی صفت کا مجازی حامل ہوا۔ حقیقت ومجاز اور ذاتی وعطائی کا فرق کر دینے سے تمام اختلافات اور اعتراضات رفع دفع ہو جائیں گے اور شرک کے خطرہ کی گھنٹی نہیں بجے گی۔

حد ہوگئی !!!

اللہ بھی ''مؤمن''، بندہ بھی ''مؤمن''

جیسا کہ ہم بیان کر چکے کہ قرآن مجید کی آیتوں کے الفاظ کے اگر صرف ظاہری معنی ہی کو بنیاد بنا کر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کریں گے، تو ہدایت کی سیدھی راہ پانے کے بدلے گمراہی کے دلدل میں پھنس جائیں گے۔

اب ہم ایک ایسی مثال پیش کر رہے ہیں کہ جس کو پڑھ کر بات بات پر شرک کا ڈھنڈورا پیٹنے والے منافقوں کے ڈھول کا پول نظر آجائے گا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرنے والے کو مومن کہا جاتا ہے۔ یعنی مسلمان کو ''مومن'' کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو لفظ ''مومن'' کے معزز لقب سے خطاب کیا گیا ہے۔ عربی زبان کے گرامر کے حساب سے الگ الگ طریقے سے لفظ مومن کا استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ:

●	مومن	۱۵؍مرتبہ
●	مومنا	۷؍مرتبہ
●	مومنات	۲۲؍مرتبہ
●	مومنۃ	۶؍مرتبہ
●	مومنون	۳۵؍مرتبہ
●	مومنین	۱؍مرتبہ
●	مومنین	۱۸۸؍مرتبہ
☆	**کل میزان**	**۲۷۴؍مرتبہ**

■ مومن کا مطلب لغت میں اس طرح ہے:

ایمان لانے والا، ایمان دار، مسلمان (فیروز اللغات، صفحہ نمبر ۱۳۱۸)

آیت شریف :

مسلمان کو قرآن میں ''مومن'' کہا گیا ہے، اس تعلق سے ایک آیت کریمہ پیش ہے :

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ﴾ (پارہ ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت: ۱۰)

ترجمہ :

''مسلمان مسلمان بھائی ہیں،تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرو۔'' (کنزالایمان)

اب آیئے ! قرآن مجید کی اس مقدس آیت کی تلاوت کا شرف حاصل کریں، جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے لفظ''مومن'' کا صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

آیت شریف :

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ ؕ﴾ (پارہ ۲۸،سورۃ الحشر،آیت نمبر:۲۳)

ترجمہ :

''وہی ہے اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سلامتی دینے والا، امان بخشنے والا حفاظت فرمانے والا عزت والا، عظمت والا، تکبر والا۔'' (کنزالایمان)

اب غور فرمایئے! قرآن مجید میں ایک ایمان لانے والے مسلمان کو''مومن'' کہا گیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے بھی صفت''مؤمن'' کا استعمال کیا گیا ہے۔لیکن دونوں کے مطلب میں عظیم فرق ہے۔اور اس عظیم فرق کو سمجھنے کے لیے قرآن کی تفسیر اور عقائد کا وسیع علم ہونا ضروری ہے۔ساتھ میں یہ علم اور عقل ہونا بھی ضروری ہے کہ اس آیت کا ترجمہ اور مفہوم جو میں اخذ کر رہا ہوں اس سے اسلامی عقیدے پر کوئی ضرب آ رہی ہے یا نہیں؟ اگر اتنی صلاحیت اور قابلیت نہیں اور آیت کے الفاظ کے ظاہری معنی اور مطلب کو ہی پکڑ کر قرآن کو سمجھنے کی حرکت کرے گا، تو ہدایت پانے کے بدلے گمراہ ہو جائے گا۔

مثال کے طور پر

- سورۂ حشر کی آیت نمبر ۲۳ میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت''مومن'' بیان کی گئی، اس لفظ مومن کو

بنیاد بنا کر اگر کوئی عقل وفہم کا دشمن یہ کہے کہ:

''قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کو مومن کہا گیا ہے اور میں بھی مومن ہوں اور قرآن میں ہی ہے کہ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں، لہٰذا اللہ کا میں بھائی ہوا'' (معاذاللہ)

ذرا سوچو! اس بے وقوف نے کہاں کی بات کہاں اور کہاں کی نسبت کہاں پہنچائی؟ قرآن سے ہدایت پانے کی بجائے گمراہی پائی۔خود کو اللہ کا بھائی کہہ کر اسلام اور ایمان سے ہی نکل گیا۔اسے اتنا بھی علم نہیں کہ اللہ کا بھائی ہونے کا عقیدہ توحید الٰہی کے سراسر خلاف ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہے۔

اسے اتنا بھی نہیں معلوم کہ:

- **جب لفظ''مومن'' کی نسبت مسلمان بندے کی طرف کی جائے گی، تو اس کے معنی''ایمان دار'' یا''ایمان لانے والا'' ہوں گے۔**
- **جب لفظ''مومن'' کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے گی، تو اس کے معنی''امان بخشنے والا'' یا''امان دینے والا'' ہوں گے۔**

معلوم ہوا کہ ہر جگہ ہر لفظ ایک ہی معنی میں نہیں لیا جائے گا، بلکہ موقع اور نسبت کے تعلق سے ہی اس کا مناسب اور موزوں معنی او مطلب لیا جائے گا۔خالق اور مخلوق کا فرق مدنظر رکھنا اور اسی طرح حقیقت اور مجاز کا فرق نیز ذاتی اور عطائی کا فرق کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ورنہ کیا کا کیا مطلب بلکہ بامعنٰی لفظ بے معنٰی ہو کر رہ جائے گا۔

اگر ہر لفظ کا ہر جگہ ایک ہی معنی اور مطلب لیا جائے گا، تو قرآن کا صحیح مطلب، معنی، مقصد، اور مراد کبھی بھی سمجھ میں نہیں آسکتا۔نتیجہ یہ ہوگا کہ تھوڑا بہت اردو پڑھا لکھا شخص قرآن مجید کا درس دینے بیٹھ جائے گا اور قرآن مجید کے رموز واسرار سے یک لخت جاہل ہونے کی وجہ سے آیت کے الفاظ کے ظاہری

معنٰی کو ہی بنیاد بنا کر خود گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ یہی حال دور حاضر کے منافقوں کا ہے۔

جس کو قرآن کی آیتوں کی قسمیں تک معلوم نہیں، آیت کا شان نزول کیا ہے؟، آیت کس کے حق میں ہے؟ اس کا حکم عام ہے یا خاص؟ یہ حکم اب منسوخ ہے یا نہیں؟ اس کی تفسیر کیا ہے؟ آیت میں وارد لفظ کس معنی میں ہے؟ حقیقی اور مجازی فرق کیا ہے؟ کیوں ہے؟ ذاتی اور عطائی صفت کا کس انداز سے بیان ہے؟ اس کا تفاوت کیا ہے؟ ان تمام لازمی معلومات سے جاہل شخص اپنے آپ کو مفسر قرآن اور مترجم قرآن سمجھنے کے مغالطے میں ہاتھ میں مائک پکڑ کر اوٹ پٹانگ تقریر کرتا ہے یا ہاتھ میں قلم تھام کر مضحکہ خیز کتاب لکھ ڈالتا ہے، لوگوں کو گمراہی کی جال میں پھنسانے کے لیے ایسی گمراہ کرنے والی کتاب کا تقویۃ الایمان، قرآنی درس توحید، یا حفظ الایمان جیسا خوبصورت نام رکھ دیتا ہے اور لوگوں کے ایمان وعقائد کے ساتھ کھلواڑ کرتا ہے۔

مؤدبانہ گزارش

یہاں تک کی تمہیدی گفتگو کے بعد ہم اپنے اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔ آج کل کے منافقین بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ہمیشہ قرآن مجید کی آیتوں کے ظاہری اور لفظی معنی میں غلط استدلال کے ساتھ ساتھ آیت کی شان نزول پوشیدہ رکھ کر اور اس میں اپنا غلط نظریہ ملا کر ایسی گمراہی بھری بات بتاتے ہیں کہ کم پڑھا لکھا آدمی کبھی یہ گمان بھی نہیں کرسکتا کہ یہ شخص مجھے دھوکہ دے رہا ہے۔ بلکہ اس کی بات کو قرآنی تعلیم سمجھ کر بھروسہ کرتا ہے اور گمراہ ہو جاتا ہے۔ دھوکہ دینے والا منافق اس کی جہالت کا بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے۔

دور حاضر کے منافق کا صرف ایک ہی مقصد ہے، کہ مسلمان کا رشتہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے کاٹ دیا جائے اور توحید کی آڑ میں نبی اور ولی کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کی جائے۔

جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ نمبر: ۸۲ پر ''**مقام غور وفکر**'' عنوان کے تحت ہم نے قرآن مجید کی

آیتوں کے اقسام بیان کرنے کے بعد قرآن کی تفسیر کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے۔ اس کے تعلق سے قارئین کرام کو اچھی خاصی معلومات حاصل ہو چکی ہوگی، جس کا ماحصل یہ ہے کہ جب تک قرآن مجید کی آیت کی قسم، اس کا شان نزول، اور تفسیر معلوم نہیں ہوگی، تب تک اس آیت کا صحیح مطلب، مقصد اور مراد سمجھ میں نہیں آسکتا اور نہ ہی اس آیت کا راز، فلسفہ اور اس کی حکمت سمجھ میں آسکتی ہے۔ ان تمام ضروری اور لازمی امور کو دور حاضر کے منافقین نظر انداز کر کے آیت کے الفاظ کے صرف ظاہری معنی کو بنیاد بناتے ہیں، اور پھر اس آیت کا من چاہا مطلب بیان کر کے گمراہی پھیلاتے ہیں، بلکہ یہاں تک ظلم کرتے ہیں کہ :

- **جو آیتیں مشرکوں کے رد میں نازل ہوئی ہیں، ان کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔**
- **جو آیتیں کفار اور مشرکوں کے معبودان باطل اور بتوں کی مذمت میں نازل ہوئی ہیں، ان کو انبیاء اور اولیاء کے بارے میں نازل ہونا بتاتے ہیں۔**

اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام کا اپنے ناپاک مقصد کے لیے غلط استعمال کرتے ہیں اور قرآن کے نام پر بھولے بھالے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کا گناہ عظیم کرتے ہیں، اور یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ زمانہ قدیم سے منافقوں کا یہ دستور چلا آتا ہے کہ جو آیت کفار اور مشرکوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں، ان کو مسلمانوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ دور حاضر کے منافقین اپنے ماضی کے آقاؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، یہی طریقہ اپنائے ہوئے ہیں، یہ طریقہ کتنا خطرناک ہے، اس بارے میں ایک حدیث شریف پیش خدمت ہے۔

کفار کے حق میں نازل ہونے والی آیت کو مسلمانوں پر فٹ کرنے والا کیسا ہے؟

بخاری شریف میں ھے کہ :

''وَكَانَ بْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شَرَارَ خَلْقِ اللّٰهِ وَقَالَ اِنَّهُمُ انْطَلَقُوْا اِلٰى آيَاتٍ نُزِلَتْ فِيْ

الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ.''

حوالہ : صحیح البخاری، باب قتال الخوارج، کتاب استتابۃ المعاندین والمرتدین، جلد۲، صفحہ نمبر۱۰۲۴

ترجمہ :

''اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انھیں تمام مخلوق سے بدتر سمجھتے تھے اور انھوں نے فرمایا کہ ان لوگوں نے یہ طریقہ اپنایا ہے کہ جو آیتیں کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں، ان کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔''

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جلیل القدر صحابی **حضرت عبداللہ بن عمر** رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوارج یعنی خارجی فرقہ والوں کو تمام مخلوق سے بدتر یعنی بہت برا سمجھتے تھے، اس کی کیا وجہ تھی؟ صرف یہی کہ وہ لوگ یعنی خارجی لوگ قرآن مجید کی وہ آیتیں جو کافروں اور مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ان آیتوں کو مسلمانوں پر چسپاں یعنی فٹ کرتے تھے۔

ٹھیک یہی طریقہ دور حاضر کے وہابی، دیوبندی، تبلیغی، اہل حدیث اور دیگر باطل فرقہ والوں نے اپنا رکھا ہے۔ انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے مسلمانوں کا رشتہ توڑنے کے لیے انبیاء واولیاء کی عقیدت اور محبت کے جائز اور نیک کاموں کو شرک، کفر اور حرام ثابت کرنے کے لیے ان آیتوں کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں، جو کافروں اور مشرکوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ ان آیتوں کے من چاہے ترجمے اور مطلب بیان کرتے ہیں اور جھوٹ، دھوکہ بازی اور مکروفریب کا سہارا لے کر مشرکوں کے وہ کام جو وہ اپنے بتوں کے ساتھ کیا کرتے تھے، ان کاموں کو اور دور حاضر میں انبیاء اور اولیاء کی عقیدت میں مسلمانوں کے ذریعہ کیے جانے والے جائز کاموں کو یکساں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں، علاوہ ازیں جو آیتیں بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ان آیتوں کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کرنے سے بھی کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔

کچھ مثالیں پیش خدمت ہیں:

پوجنا کو پکارنا کر دیا

قرآن مجید کی آیتیں کہ جن کا مطلب عام طور سے لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا، ان آیتوں کے مطلب میں فرق کر کے اپنا من چاہا مطلب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بے علم اور کم پڑھا لکھا شخص اس فرق کو سمجھ نہیں سکتا اور منافقوں کے ذریعہ بیان کیے گئے غلط اور من گڑھت ترجمہ کو صحیح سمجھتا ہے اور گمراہ ہوتا ہے۔ مثلاً :

- قرآن مجید میں ہے کہ :

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ط (پارہ ۱۱، سورۂ یونس، آیت نمبر: ۱۸)

ترجمہ :

''اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں، جو ان کو نہ کچھ نقصان دیوے اور ان کا کچھ بھلا نہ کرے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔'' (کنز الایمان)

ہم نے یہاں سورۂ یونس کی آیت نمبر ۱۸ کا جو ترجمہ لکھا ہے، وہ بالکل صحیح لفظی ترجمہ ہے، جس سے آیت کا صحیح مطلب، مقصد، اور مراد ظاہر ہے۔

یہ آیت کافروں اور مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ تفسیر کی معتبر کتابوں میں صاف لکھا ہوا ہے کہ یہ آیت ان کافروں اور مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بتوں کی پوجا کرتے تھے اور بتوں کو اپنا سفارشی سمجھتے تھے، بلکہ وہ کافر اور مشرک یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جن بتوں کی ہم پوجا کرتے ہیں، وہ بت اللہ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے یعنی چھٹکارا ونجات دلائیں گے۔ کافروں اور مشرکوں کے اس باطل عقیدے کا رد کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ کافروں اور مشرکوں

نے جن بتوں کو اپنا سفارشی سمجھ کر ان کی پوجا کرنا اپنایا ہے، وہ بت ان کو کسی قسم کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

لیکن !!!

وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے لوگ اس آیت کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

وہابی جماعت کے پیشوا اور امام مولوی اسماعیل دہلوی کی بدنام کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں اس آیت کے تحت صاف لکھا ہے کہ:

> ''یعنی جن لوگوں کو پکارتے ہیں، اللہ نے ان کو کچھ قدرت نہیں دی، نہ فائدہ پہنچانے کی، نہ نقصان کرنے کی، اور جو کہتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں، تو یہ بات تو اللہ نے انھیں نہیں بتائی، پھر کیا تم اللہ سے زیادہ خبردار ہو، اس کو وہ بات بتاتے ہو جو وہ نہیں جانتا؟ اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام آسمان وزمین میں کوئی کسی کا ایسا سفارشی نہیں ہے کہ اس کو ماننے اور پکارنے سے کچھ فائدہ یا نقصان پہونچے، بلکہ انبیاء اور اولیاء کی جو سفارش ہے، وہ اللہ کے اختیار میں ہے، ان کے پکارنے یا نہ پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا''
>
> **حوالہ :** تقویۃ الایمان، مؤلف: مولوی اسمٰعیل دہلوی،
> ناشر: الدار السلفیہ، بمبئی، ۱۷رواں ایڈیشن، ۲۰۰۶ء، صفحہ: ۱۸

اب قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ خود انصاف فرمائیں کہ، مولوی اسماعیل دہلوی نے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے کیسی خطرناک چال چلی ہے اور کس طرح سے قرآن مجید کی آیت کا مطلب بدل دیا ہے۔

تقویۃ الایمان کی پیش کردہ عبارت کے جملوں پر آپ غور فرمائیں:

■ ''یعنی جن لوگوں کو پکارتے ہیں''

دیکھیے ! کیسے فریب دیا جارہا ہے، قرآن مجید کی آیت میں ﴿یَعْبُدُوْنَ﴾ ہے۔ جس کا مطلب ہوتا ہے ''پوجتے ہیں، عبادت کرتے ہیں'' اس آیت میں کہیں بھی **''یُنَادُوْنَ''** یعنی پکارتے ہیں کا لفظ نہیں ہے۔ کیوں کہ کفار اور مشرکین بتوں کی پوجا کرتے تھے اور بتوں کو معبود یعنی عبادت کے لائق سمجھتے تھے، اس آیت میں کافروں کی مورتی پوجا (بت پرستی) کا رد کیا گیا ہے۔ لیکن مولوی اسماعیل دہلوی نے اس آیت کا اصل مطلب بدلنے کے لیے ''پوجنے'' کو ''پکارنا'' کردیا اور بتوں کو پوجنے کا مطلب بدل کر ''بزرگوں کو پکارنا'' کردیا۔ پھر آگے چل کر یہاں تک لکھ دیا کہ:۔

■ **''اللہ نے ان کو کچھ قدرت نہیں دی، نہ فائدہ پہنچانے کی، نہ نقصان کرنے کی، اور جو کہتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں، تو یہ بات تو اللہ نے انھیں نہیں بتائی۔''**

کیسی خطرناک چال چلی جارہی ہے، سورۂ یونس کی آیت نمبر ۱۸ میں کہیں بھی بزرگوں کا ذکر نہیں، لیکن یہاں پر زبردستی اور کھینچ تان کر بزرگان دین کا ذکر کیا جارہا ہے۔ یہ آیت کافروں اور مشرکوں کے ذریعہ کی جانے والی بت پرستی اور بتوں کے ساتھ رکھی جانے والی عقیدت کے رد میں نازل ہوئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ کفار جن بتوں کو پوج رہے ہیں اور بتوں کے ساتھ یہ عقیدہ اور امید رکھتے ہیں کہ یہ بت اللہ کے پاس ہماری سفارش کریں گے، کفاروں کے اس باطل اعتقاد کا اس آیت میں رد کیا گیا ہے کہ بتوں کی پوجا کرنے والے سن لیں، کہ جن بتوں کو تم اپنا سفارشی اور حمایتی سمجھ کر پوجتے ہو، یہ بت تم کو کچھ بھی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

آیئے! قرآن مجید کی چند معتبر اور مستند تفسیروں کے حوالے دیکھیں :

حوالہ نمبر : ۱

امام اجل، رئیس المفسرین، امام فخر الدین رازی کی مشہور اور مقبول تفسیر فخر الرازی جو عالم اسلام میں **''تفسیر کبیر و مفاتیح الغیب''** کے نام سے جانی اور پہنچانی جاتی ہے۔ اس میں ہے کہ:

''اَعلَمْ اِنَّا ذَكَرْنَا اَنَّ الْقَوْمَ اِنَّمَا اِلْتَمِسُوْا مِنَ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرْآنًا غَيْرَ هٰذَا الْقُرْآنِ اَوْتَبْدِيْلَ هٰذَا الْقُرْآنِ لِاَنَّ هٰذَا الْقُرْآنُ مَشْتَمِلٌ عَلٰى شَتْمِ الْاَصْنَامِ الَّتِیْ جَعَلُوْهَا اٰلِهَةً لِاَنْفُسِهِمْ ، فَلِهٰذَا السَّبَبِ ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِیْ هٰذَا الْمَوْضِعِ مَايَدُلُّ عَلٰى قُبْحِ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ''

حوالہ : تفسیر کبیر، از: امام فخر الدین رازی، المتوفی ۶۰۶ھ، ناشر: دارالفکر، لبنان، جلد ۹، صفحہ ۶۲

ترجمہ :

''معلوم ہونا چاہیئے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ بے شک قوم (کافروں) نے رسول اللہ ﷺ سے اس قرآن کے بدلے دوسرے قرآن کی یا اس قرآن کو بدل دینے کی گزارش کی، کیوں کہ یہ قرآن مشتمل ہے مذمت پر ان بتوں کی جن کو وہ اپنا الٰہ بنائے ہوئے ہیں، یہی سبب ہے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے بتوں کے پرستش کی قباحت کا ذکر فرمایا۔''

تفسیر کبیر کی مذکورہ بالا عبارت سے صاف ثابت ہوا کہ یہ آیت کافروں کا بتوں کو اپنا معبود سمجھ کر کی جانے والی بت پرستی کے رد میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں کہیں بھی بزرگان دین کا یا بزرگوں کو پکارنے کا ذکر تک نہیں اور نہ ہی مسلمانوں کا ذکر ہے۔ بلکہ کافروں اور بتوں کا ہی رد ہے۔

حوالہ نمبر: ۲

''وَالظَّاهِرُ اَنَّ الْمُرَادَهُنَا الْاَصْنَامُ - لِاَنَّ الْعَرَبَ اِنَّمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَهَا وَ كَانَ اَهْلُ الطَّائِفِ يَعْبُدُوْنَ اللَّاتَ وَ اَهْلُ مَكَّةَ الْعُزّٰى وَ مَنَاةَ وَ هَبَلَ وَاَسَافًا وَ نَائِلَةَ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاۤءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ عِكْرَمَةَ قَالَ: كَانَ النَّضْرِبْنُ الْحَارِثِ يَقُوْلُ: اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفَعَتْ لِیَ اللَّاتُ وَ الْعُزّٰى وَ فِيْهِ نَزَلَتِ الْاٰيَةُ''

حوالہ : روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، تالیف: العلامہ ابی الفضل شہاب الدین السید محمود البغدادی، المتوفی ۱۲۷۰ھ، الناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، المجلد الرابع، صفحہ: ۸۳

ترجمہ :

''اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں مراد بت ہے، اس لیے کہ اہل عرب بتوں کی پوجا کرتے تھے، طائف والے ''لات'' نام کے بت کی اور مکہ والے عزہ، منات، ھبل، اساف اور نائلہ نام کے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اور آیت کریمہ ''وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاۤءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ط'' کی تفسیر میں حضرت ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے روایت کی کہ نذر ابن حارث (نام ایک کافر کا) کہتا تھا کہ قیامت کا دن ہوگا، تو لات اور عزہ میری شفاعت کریں گے، اس کے اس کہنے کے رد میں یہ آیت شریف نازل ہوئی۔''

حوالہ : **روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع مثانی**، مفسر: علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود بغدادی، متوفی: ۱۲۷۰ھ، ناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر: ۸۳

حوالہ نمبر: ۳

اردو زبان کی عام فہم اور مشہور تفسیر یعنی ''**تفسیر نعیمی**'' میں ہے کہ :

شان نزول: ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے روایت کی کہ ایک بار نذر ابن حارث نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا تھا کہ قیامت میں میری شفاعت لات اور عزہ کریں گے، اس کی تردید میں یہ آیت اتری۔

حوالہ : اشرف التفاسیر، از: حکیم الامت، حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی، ناشر: ضیاء القرآن پبلیکیشن، لاہور، پاکستان، جلد نمبر: ۱۱، صفحہ نمبر: ۲۲۷

یہاں پر صرف تین حوالے پیش کیے ہیں۔ حالاں کہ تفسیر کی دیگر کتابیں:

- تفسیر ابن کثیر، از: امام اسماعیل قرشی دمشقی، متوفی: ۷۷۴ھ
- تفسیر معالم التنزیل، از: امام ابو محمد حسین بغوی، متوفی: ۵۱۶ھ
- تفسیر بیضاوی، از: قاضی امام نصیر الدین ابوسعید عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی، متوفی: ۶۸۵ھ

- تفسیر خازن، از: امام علاء الدین علی بغدادی، متوفی: ۷۲۵ھ
- تفسیر مدارک التنزیل، از: امام ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسفی، متوفی: ۷۱۰ھ
- تفسیر جلالین شریف، از: جلال الدین ابوبکر بن کمال بن ابوبکر سیوطی، متوفی: ۹۱۱ھ

ان تمام تفسیروں میں بھی صاف لکھا ہوا ہے کہ یہ آیت کریمہ یعنی پارہ نمبر ۱۱ سورۂ یونس کی آیت نمبر: ۱۸ صرف اور صرف:

- **بتوں کی پوجا کرنے کے رد میں،**
- **کافروں اور مشرکوں کی بت پرستی کی تردید میں،**
- **بتوں کو اپنا سفارشی سمجھنے کے رد میں اور**
- **بت نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، اس حقیقت کے بیان میں نازل ہوئی ہے۔**

لیکن ......

مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں ترجمہ سے ہٹ کر اپنا من چاہا مطلب بیان کیا اور پوجنا کے ترجمہ کو پکارنا کے مطلب میں بدل ڈالا، کیسی دھوکہ بازی ہے؟ مگر اس طرح کا فریب اور دھوکہ نہ دیتے تو اسے مسلمانوں کو مشرک کہنے کا موقع نہ ملتا۔ اس پر مزید ستم یہ کیا کہ اس آیت میں بتوں کے رد کی حقیقت کی آڑ میں انبیاء اور اولیاء کی شان میں بھی گستاخی کرتے ہوئے لکھ دیا کہ:

- **''انبیاء اور اولیاء کو پکارنے یا نہ پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا۔''**

حالاں کہ......

یہ آیت مسلمانوں پر یا انبیاء اور اولیاء پر کسی طرح بھی چسپاں نہیں ہوسکتی، کیوں کہ آیت کریمہ میں بتوں کو بے اختیار بتایا گیا ہے اور جو بے اختیار ہوتا ہے، وہ کسی کو نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے، نہ کسی کو کوئی

نقصان پہنچا سکتا ہے اور وہ بارگاہ الٰہی میں کسی کی شفاعت بھی نہیں کرسکتا۔ کیوں کہ شفاعت وہی کرسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا مقرب اور محبوب ہو، جو مغضوب ہو یعنی جس پر اللہ کا غضب اور عذاب ہو، وہ کسی کی کیا شفاعت کرے گا؟ اور بت تو مغضوب ہے، بلکہ جہنم کا ایندھن (جلانے کی چیز) ہے۔

آیت شریف :

﴿اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ط اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ ہ﴾

(پارہ:۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر:۹۸)

ترجمہ :

''بے شک تم (مشرک) اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو (بت) سب جہنم کے ایندھن ہو، تمھیں اس میں جانا۔'' (کنزالایمان)

خوب یاد رکھیں کہ مشرک اور ان کے معبود یعنی تمام بتوں پر اللہ کا غضب اور غضب کی وجہ سے مغضوب ہیں اور جہنم کا ایندھن (Fuel) ہیں۔

جب کہ اللہ کے محبوب بندے یعنی انبیاء، اولیاء، صدیقین، شہداء، صالحین، متقین، وغیرہ اللہ کے وہ بندے ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام اور اکرام ہے اور وہ جنت میں اپنے رب کے پاس ہیں۔

آیت شریف :

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ہ﴾ (پارہ۵، سورۃ النساء، آیت ۶۹)

ترجمہ :

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے، تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔'' (کنزالایمان)

اس آیت میں صاف بتایا گیا ہے کہ (۱) انبیائے کرام (۲) صدیقین حضرات (۳) شہدائے کرام (۴) صالحین عظام یعنی اولیائے کرام و بزرگان دین پر اللہ نے فضل یعنی مہربانی بخشش فرمائی ہے۔

آیت شریف :

﴿اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (پارہ:۹،سورۃ الانفال،آیت نمبر:۳۴)

ترجمہ :

”اس کے اولیاء تو پرہیز گار ہی ہیں۔“ (کنزالایمان)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء پرہیز گار ہوتے ہیں اور جو پرہیز گار ہیں، وہ اللہ کو پیارے ہوتے ہیں اور اللہ ان کے ساتھ ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :

آیت شریف :

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (پارہ۲،سورۃ البقرہ،آیت:۱۹۴)

ترجمہ :

”اور جان رکھو کہ اللہ ڈر والوں کے ساتھ ہے۔“ (کنزالایمان)

اس آیت میں ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ متقیوں (ڈرنے والوں) کے ساتھ ہے۔ اور متقی حضرات جنت میں ہوں گے۔ قرآن مجید میں کئی آیتوں میں اس کا بیان ہے۔

چند آیتوں کے حوالے پیش خدمت ہے :

- ■ متقیوں کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ (پارہ،۳۱،سورہ رعد،آیت نمبر:۳۵)
- ■ متقی لوگوں کے لیے ہمیشہ کے باغ (جنت) کا وعدہ ہے۔ (پارہ:۱۸،سورۃ الفرقان،آیت نمبر:۱۵)

- ■ جنت پرہیز گاروں کے لیے تیار رکھی ہے۔ (پارہ۴،سورۃ آل عمران،آیت نمبر۱۳۳)
- ■ متقی باغوں اور چشموں یعنی جنت میں ہے۔ (پارہ۱۴،سورۃ حجر،آیت نمبر۴۵)
- ■ قریب لائی جائے گی جنت پرہیز گاروں کے لیے۔ (پارہ۱۹،سورۃ شعراء،آیت نمبر۹۰)
- ■ بے شک پرہیز گار باغوں (جنت) اور چین میں ہیں۔ (پارہ۲۷،سورۃ طور،آیت نمبر۱۷)
- ■ بے شک ڈر والوں کے لیے ان کے رب کے پاس چین کے باغ ہیں۔ (پارہ۲۹،سورۃ قلم،آیت نمبر:۳۴)

معلوم ہوا کہ پرہیز گار حضرات قرآن مجید میں کیے گئے وعدے کے مطابق جنت میں ہوں گے، علاوہ ازیں تمام انبیاء اور اولیاء پرہیز گار ہی تھے، بلکہ ہر نبی اور ولی ضرور ر پرہیز گار ہوتے تھے، تو انبیاء اور اولیاء الٰہی وعدے کے مطابق جنت میں جائیں گے۔

انصاف کرو ...... !!!

سورہ یونس کی آیت نمبر: ۱۸ جو کافروں، مشرکوں اور بتوں کے رد میں نازل ہوئی ہے، اس آیت کو وہابی، دیوبندی، تبلیغی، اور غیر مقلد جماعت کے امام مولوی اسماعیل دہلوی نے مسلمان، انبیاء اور اولیاء پر کیسی چال بازی سے چسپاں کردی ہے۔

- ■ انبیاء اور اولیاء سے توسل کرنے، استغاثہ کرنے اور پکارنے والے مسلمانوں کے جائز کام کو کافروں اور مشرکوں کی بت پرستی کی طرح ثابت کرنے کے لیے آیت کے لفظ ﴿یَعْبُدُوْنَ﴾ پوجتے ہیں کا مطلب (یُنَادُوْنَ) پکارتے ہیں، بیان کر کے ایمان والوں کو مشرک ثابت کر رہے ہیں۔
- ■ اللہ کے نیک، مقبول اور محبوب بندے یعنی انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو مجبور، بے اختیار، عاجز ثابت کرنے کے لیے کافروں کے معبود بتوں کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی ہے،

اسے انبیاء اور اولیاء کی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے، جو متقی ہونے کی وجہ سے اللہ کے دوست ہیں، جن کے ساتھ اللہ ہے، جن کے لیے جنت تیار رکھی گئی ہے، ایسے مقبول بارگاہ الٰہی حضرات کو بتوں کے برابر بتانا اور کفار مکہ بتوں کو اپنا شفیع سمجھتے تھے، اس کا قرآن میں رد کیا گیا ہے، اس کی آڑ میں انبیاء اور اولیاء کی شفاعت کا انکار کرتے ہوئے اپنی کتاب **''تقویۃ الایمان''** میں یہاں تک لکھا دیا کہ: **''تمام آسمان و زمین میں کوئی کسی کا سفارشی نہیں کہ اس کو ماننے اور پکارنے سے کچھ فائدہ یا نقصان پہنچے، بلکہ انبیاء اور اولیاء کی جو سفارش ہیں، وہ اللہ کے اختیار میں ہے، ان کے پکارنے یا نہ پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا۔**

حوالہ : تقویۃ الایمان، صفحہ نمبر: ۱۸

اب دیکھو کہ منافقین زمانہ بھولے بھالے مسلمانوں کو قرآن کی آیت سے کس طرح دھوکہ دیتے ہیں۔

بتوں کے بارے میں نازل شدہ آیتوں کو انبیاء واولیاء پر چسپاں کرنے کا فریب

منافقین زمانہ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ قرآن مجید میں جو آیتیں بتوں کی مذمت میں نازل ہوئی ہیں، ان آیتوں کو انبیائے کرام اور اولیائے عظام پر چسپاں کرنا اور بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرنا۔

ایک حوالہ پیش خدمت ہے :

''انبیاء اور خواص امت عالم میں تصرف سے عاجز ہیں:

قال اللہ تعالیٰ :

﴿ ''وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقاً مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ'' (پارہ:۱۴، سورۃ النحل، آیت:۷۳)

اور یہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کی عبادت کرتے ہیں، جو ان کے لئے آسمان و زمین سے کسی قسم کے رزق کے مالک نہیں ہیں اور نہ انھیں اس کی کچھ طاقت ہے۔

یعنی یہ مشرک ایسے لوگوں کی اللہ جیسی تعظیم کرتے ہیں، جنھیں کچھ اختیار حاصل نہیں اور وہ ان کی روزی پہنچانے میں کچھ دخل نہیں رکھتے، نہ آسمانوں سے مینھ برسائیں، نہ زمین سے کچھ اُگائیں اور ان کو کسی نوع کی قدرت نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عوام میں کچھ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ انبیاء واولیاء یا امام اور شہیدوں کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت تو ہے، لیکن اللہ کی تقدیر پر وہ شاکر ہیں اور اس کے ادب سے دم نہیں مارتے، اگر چاہیں تو ایک دم میں الٹ پلٹ کر دیں لیکن شرع کی تعظیم کر کے چپ بیٹھے ہیں، تو یہ سب بات غلط ہے، بلکہ کسی کام میں نہ بالفعل ان کو دخل ہے، نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔''

حوالہ : تقویۃ الایمان، از: مولوی اسمٰعیل دہلوی،

ناشر: دارالسّلفیہ، بمبئی، سن طباعت: جولائی ۲۰۰۶ء، صفحہ: ۵۱

انصاف کریں......!

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ آپ ہماری فریاد پر منصفانہ غور وفکر کرنے کے بعد انصاف کریں۔

''تقویۃ الایمان'' میں مولوی اسماعیل دہلوی نے قرآن شریف، پارہ نمبر:۱۴، سورۂ نحل، آیت نمبر:۷۳ اور آیت کا ترجمہ لکھنے کے بعد جو کچھ بھی لکھا ہے، اس کو پڑھ کر کوئی سوچ میں پڑ سکتا ہے کہ واقعی قرآن میں انبیاء اور اولیاء کے تعلق سے ایسا فرمایا گیا ہے؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت ہرگز ہرگز انبیاء اور اولیاء کے بارے میں نازل نہیں ہوئی، بلکہ مشرکوں کے معبود بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

آیئے! چند حوالے قرآن مجید کی معتبر اور مستند تفسیروں میں دیکھیں۔

حوالہ نمبر: ۱

''قَوْلَهٗ تَعَالٰی ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًامِّنَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ شَيْـئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴾ اِعْلَمْ اَنَّهٗ تَعَالٰى لَمَّا شَرَحَ اَنْوَاعاً كَثِيْرَةً فِىْ دَلَائِلِ التَّـوْحِيْـدِ، وَتِـلْكَ الْاَنْـوَاعُ كَـمَـا اَنَّهَا دَلَائِلُ عَلٰى صَحَّةِ التَّوْحِيْدِ، فَكَذَالِكَ بَدَأَ بِذِكْرِ اَقْسَامِ النِّعَمِ الْجَلِيْلَةِ الشَّرِيْفَةِ، ثُمَّ اَتْبَعَهَا فِىْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ بِالرَّدِّ عَلٰى عَبَدَةِ الْاَصْنَامِ''

حوالہ : تفسیر الفخر الرازی المعروف بالتفسیر کبیر، از: امام اجل فخر الدین رازی،

ناشر: دار الفکر، لبنان، جلد ۱۰، جزء ۲۰، صفحہ نمبر: ۸۵

ترجمہ :

'' اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ: **اور اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں، جو انھیں آسمان اور زمین سے کچھ بھی روزی دینے کا اختیار نہیں رکھتے، نہ کچھ اور کر سکتے ہیں**، جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے توحید کی دلیلوں میں بہت سی قسموں کا خلاصہ (وضاحت) فرمایا ہے اور وہ قسم توحید کی صحت کی دلیل ہے۔ لہذا اس آیت میں پہلے شریف اور جلیل نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، پھر بعد میں بتوں کی عبادت کا رد فرمایا گیا ہے۔''

تفسیر کبیر کا جو حوالہ ابھی آپ نے دیکھا، اس میں کہیں بھی کسی نبی یا ولی یا امام یا شہید کا ذکر نہیں، بلکہ کسی انسان تک کا بھی ذکر نہیں، اس کے باوجود مولوی اسماعیل دہلوی نے اس آیت سے غلط مطلب نکال کر اس آیت کو نبی، ولی، امام اور شہید پر فٹ کر دی۔

حوالہ نمبر: ۲

اسی آیت کی تفسیر میں ایک اور حوالہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ قَالَ اَبُوْحَبَّانُ هُوَ اِسْتِئْنَافُ اَخْبَارِ عَنْ حَالِهِمْ فِىْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ''

حوالہ : روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، از: العلامہ ابو الفضل شہاب الدین السید محمود البغدادی المتوفی ۱۲۷۰ھ، الناشر: دار الکتب العلمیہ، لبنان، جلد ۷، صفحہ نمبر: ۴۶۰

ترجمہ :

'' **اور اللہ کے سوا پوجتے ہیں**، کہا ابو حبان نے یہ کافروں کی بت پرستی کی حالت کو پھر سے بیان کرنا ہے۔''

تفسیر کے دونوں حوالوں سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ یہ آیت شریف:

- **کافروں کے رد میں ہے۔**
- **کافروں کے معبود یعنی پتھر کے بتوں کے رد میں ہے۔**
- **بت پرستی کا رد کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ کافر جن بتوں کو اپنا معبود سمجھ کر اس کی عبادت کرتے ہیں، وہ بت آسمان اور زمین سے کسی قسم کے رزق کے مالک نہیں۔**
- **کافروں کے معبود بتوں کو کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں۔**
- **کافروں کے معبود بت کچھ بھی نہیں کر سکتے۔**

افسوس تو اس بات کا ہے کہ جو آیت بتوں کے رد میں نازل ہوئی ہے، اس کو انبیاء، اولیاء، امام اور شہیدوں پر فٹ کرنے کے لیے وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت کے پیشوا نے آیت کے معنی، مطلب اور مفہوم بیان کرنے میں کیسا خطرناک فریب دیا ہے۔

اب ذرا دیکھیں کہ اس آیت کے ضمن میں کیسی دھوکہ بازی سے کام لیا گیا ہے۔

■ **''تقویۃ الایمان''** کتاب میں مولوی اسماعیل دہلوی نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے، کہ **''اور یہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کی عبادت کرتے ہیں''** اس آیت کے ترجمہ میں ''لوگوں'' کا لفظ نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ یہاں پر ترجمہ میں **''لوگوں''** کا لفظ آ سکتا ہی نہیں۔ کیوں کہ آیت شریف میں (يَـعْـبُـدُوْنَ الـنَّـاسَ) یعنی **''لوگوں کی عبادت کرتے ہیں''** نہیں ہے۔ صرف **''يَعْبُدُوْنَ''** یعنی عبادت کرتے ہیں، اتنا ہی ہے۔ '' النَّاسَ '' یعنی لوگوں کا لفظ نہیں ہے۔ جو

قارئین حضرات عربی زبان سے واقف ہیں وہ اس نقطہ کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہاں پر آیت کے ترجمہ میں لوگوں کا لفظ اپنی طرف سے ڈال دیا ہے۔ جو لوگ عربی زبان سے واقفیت نہیں رکھتے ان کو آسانی سے سمجھ میں آجائے اس مقصد سے اس آیت کے ہر لفظ کو الگ الگ کر کے اور اس لفظ کا ترجمہ کر کے لکھ رہے ہیں، تا کہ ہر عربی جاننے والا اور نہ جاننے والا بھی آسانی سے سمجھ سکے کہ اس آیت کے ترجمہ میں کس طرح دھوکہ بازی سے کام لیا گیا ہے۔

آیت شریف اس طرح ہے :

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ۔﴾

اب آیئے! اس آیت کے ہر لفظ کو الگ الگ کر کے اس کا ترجمہ دیکھیں۔

- وَيَعْبُدُوْنَ — اور عبادت کرتے ہیں۔
- مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ — اللہ کے سوا ایسوں کی
- مَالَا يَمْلِكُ — جو اختیار نہیں رکھتے
- لَهُمْ رِزْقًا — انھیں روزی دینے کا
- مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا — آسمان اور زمین سے کچھ بھی
- وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ — نہ کچھ کر سکتے ہیں۔

■ اس آیت کے ہر لفظ کے ترجمہ میں کہیں بھی ''لوگوں'' کا ترجمہ نہیں ہوتا، کیوں کہ آیت شریف میں کہیں بھی ''الناس'' کا لفظ ہی نہیں، آیت کے ترجمہ میں صرف اتنا ہی ہے کہ اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہیں، اور اس سے مراد بت ہیں، تفسیر کبیر اور تفسیر روح المعانی کے جو دو ۲ حوالے پیش کیے ہیں، اس میں صاف لکھا ہے کہ یہاں مراد بت ہیں، جن کو مشرک لوگ اپنا

معبود سمجھ کر پوجتے تھے۔ مگر مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی طرف سے لوگوں کا لفظ جان بوجھ کر بڑھا دیا ہے۔ کیوں کہ وہ اس آیت کو نبی، ولی، امام اور شہید پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں، اس لیے شروع ہی سے اپنے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں، کیوں کہ اس آیت کو نبی اور ولی، امام اور شہید پر چسپاں کرنے کے لیے یہاں پر ''لوگوں'' کا ترجمہ کرنا لازمی ہے۔ لوگوں کا ترجمہ کر کے بتوں کو خارج کر دیا گیا ہے۔ کیوں کہ بتوں کے لیے لوگوں کا لفظ نہیں بولا جاتا۔

■ یعنی کتاب پڑھنے والا ترجمہ پڑھ کر ہی پہلا دھوکہ کھائے اور ایسا خیال کرے کہ یہ آیت بتوں کے رد میں نہیں بلکہ لوگوں یعنی انسانوں کے رد میں ہے۔ ترجمہ پڑھ کر اس کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں ہوگی کہ یہ آیت بتوں کے رد میں ہے۔ اب اس کا دماغ صرف اور صرف ایک ہی بات سوچے گا کہ یہ آیت ایسوں انسانوں کے رد میں ہے کہ جن کی لوگ عبادت کرتے ہیں۔

■ ترجمہ لکھ لینے کے بعد اب مولوی اسماعیل دہلوی نے ایک خطرناک چال چلی ہے۔ آیت کے ترجمہ میں ''عبادت کرتے ہیں'' لکھا ہے، لیکن آیت کے معنی میں اب عبادت کا لفظ ہٹا کر تعظیم کا لفظ ڈال دیا اور آیت کا مطلب اس طرح لکھ دیا کہ **''یعنی یہ مشرک ایسے لوگوں کی اللہ جیسی تعظیم کرتے ہیں، جنھیں کچھ اختیار حاصل نہیں۔''**

کیسی دھوکہ بازی کی جارہی ہے، پہلے ترجمہ میں ''لوگوں'' کا لفظ بڑھایا اور اب مطلب میں عبادت کے بدلے ''تعظیم'' کا لفظ ڈال دیا، آہستہ آہستہ ٹرن لیتے ہوئے بات کو کس طرح بدل دیا ''بتوں کی عبادت'' کو کس طرح بدل کر ''لوگوں کی تعظیم'' کر دیا۔

■ **''بتوں کی عبادت''** کے مطلب کو **''لوگوں کی تعظیم''** کے مطلب میں بدل کر کتاب پڑھنے والے کو قرآن کے نام پر دھوکہ دیا جارہا ہے۔ کتاب پڑھنے والے کا ذہن اب یہی ہوگا کہ مکہ

کے مشرک اپنے سماج کے کچھ لوگوں کی تعظیم کرتے تھے اور یہ کام اللہ کو ناپسند ہے کہ کسی کی تعظیم کی جائے ،لہذا قرآن میں اللہ کے سوا کسی کی بھی تعظیم کرنا مشرکوں اور کافروں کا کام ہے ۔ اب اس کے دماغ میں یہ بات گھس گئی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی تعظیم نہیں کرنی چاہیئے ۔تو اب اس کو دوسری خوراک دیتے ہوئے اسماعیل دہلوی نے لکھ دیا کہ :

- **''انبیاء واولیاء یا امام اور شہیدوں کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت کا کچھ لوگوں کا جو عقیدہ ہے، وہ غلط ہے۔''**

پہلے یہ لکھا کہ مشرک جن لوگوں کی تعظیم کرتے ہیں، انھیں کچھ اختیار نہیں ، دیکھو! اور غور کرو! بتوں کی پوجا کے رد میں نازل ہونے والی آیت کو بتوں سے ہٹا کر ان لوگوں پر جن کی مشرک تعظیم کرتے ہیں، ان پر فٹ کیا، پھر انبیاء، اولیاء، اماموں اور شہیدوں پر فٹ کیا، اب نتیجہ یہ ہوا کہ جن بتوں کے رد میں آیت نازل ہوئی تھی، وہ پردے کے پیچھے چلے گئے اور نشانے پر صرف انبیاء، اولیاء، امام اور شہید آگئے ،صرف یہاں پر آکر بات ختم نہیں ہوئی بلکہ ظلم کی انتہا تو یہ ہے کہ یہ آیت بتوں کی پوجا کے رد میں تھی لیکن اب ظالم کا نشانہ بتوں سے ہٹنے کے ساتھ ساتھ پوجا سے بھی ہٹ گیا اور پوجا سے ہٹ کر تعظیم پر آکر ٹھہر گیا۔

- جو آیت بتوں کی پوجا کے رد میں نازل ہوئی تھی، اس آیت کے ترجمہ، معنی اور مطلب میں لفظوں کی ہیرا پھیری کرتے ہوئے آیت کو بزرگان دین کی تعظیم کے رد میں چسپاں کردی، بزرگان دین سے اپنی دلی دشمنی نکالنے کے لیے بتوں کے رد میں نازل اس آیت سے ایک ساتھ دو کام کو انجام دیے، بلکہ یوں کہیے کہ ایک تیر سے دو شکار کیے۔

پہلا : ''انبیاء، اولیاء اماموں اور شہیدوں کی تعظیم نہیں کرنی چاہیئے ، ایسا کام مشرک کرتے ہیں، جو قرآن کے حکم کے خلاف ہے۔''

دوسرا : ''مشرکین جن کی تعظیم کرتے تھے، وہ کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں رکھتے تھے، اسی طرح آج کل مسلم قوم جن بزرگان دین کی تعظیم کرتے ہیں، وہ بھی کسی قسم کا کوئی تصرف اور اختیار نہیں رکھتے۔''

بس ہو گیا کام تمام! قرآن مجید کی آیت سے ہی مجھے دھوکہ دیا جارہا ہے، اس حقیقت سے انجان کم پڑھا لکھا شخص ''تقویۃ الایمان'' کتاب میں درج قرآن شریف کی سورہ نحل کی آیت نمبر ۷۶ کی وضاحت کو پڑھ کر یہ سمجھنے لگتا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی تعظیم کرنا قرآن کی تعلیم کے خلاف اور مشرکوں جیسا کام ہے ۔لہذا ان کی تعظیم کرنا نہیں چاہیے اور بزرگان دین کی تعظیم نہ کرنا ہی عین قرآن کی تعلیم پر عمل کرنا ہے اور سچی توحید ہے ۔اس طرح کا غلط نظریہ جب اس کے دماغ میں جم جاتا ہے، تو وہ اب اولیائے کرام اور انبیائے عظام کی تعظیم اور ادب کرنے کو اسلام کے اصول کے خلاف سمجھ کر، ہر اس کام کو برا سمجھنے لگتا ہے جس کام کے کرنے سے انبیاء اور اولیاء کی تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔

اسی کا نام ہے ''تحریف قرآن'' یعنی قرآن کو بدلنا، حالاں کہ وہ قرآن کی اصلی عربی آیت کو تو نہیں بدل سکتا، لیکن آیت کے معنی، مطلب اور مراد اور مقصد میں اپنی ذاتی رائے کو اتنا زیادہ دخل دیتا ہے کہ آیت کا بالکل الٹا ہی مطلب بیان کردیتا ہے اور یہ فریب ایسے حسین انداز سے دیتا ہے کہ پڑھنے **والے کے وہم اور گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ مجھے قرآن کے نام سے دھوکہ دیا جارہا ہے۔**

کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی تعظیم نہیں کرنی چاہیئے؟

وہابی دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے امام مولوی اسماعیل دہلوی کی رسوائے زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' پڑھ کر شاید کوئی کم پڑھا لکھا شخص یہ سمجھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی تعظیم نہیں کرنی چاہیئے ۔کیوں کہ یہ کافروں اور مشرکوں کا طریقہ ہونے کی وجہ سے قرآنی درس توحید کے خلاف ہے۔ اور جو کام توحید الٰہی کے خلاف ہوتا ہے وہ شرک ہے۔

آیئے !

اس اہم سوال کا جواب ہم اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام ''قرآن مجید'' میں حاصل کریں۔

الحمدللہ! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا درس دینے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے ادب اور تعظیم کی تعلیم بھی دی گئی ہے۔

آیت شریف :

''اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا O لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا O'' (پارہ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۸، اور ۹)

ترجمہ :

''بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا، تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو۔'' (کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں حکم دیا ہے کہ رسول کی تعظیم اور توقیر کرو۔

اگر اس آیت کریمہ پر غور اور فکر کریں گے، تو تین باتیں سامنے آئیں گی، یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کا حکم دیا ہے۔

- ■ پہلا: **اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔**
- ■ دوسرا: **رسول کی تعظیم اور توقیر کرو۔**
- ■ تیسرا: **صبح وشام اللہ کی عبادت کرو۔**

پہلی بات، یعنی ایمان اور تیسری بات یعنی عبادت کو جوڑنے والی دوسری بات یعنی رسول کی تعظیم اور توقیر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے عبادت کرتا ہے، مگر رسول کی تعظیم کا انکار کرتا ہے تو اس کی عبادت کا کوئی مطلب ہی نہیں، کیوں کہ ایمان لانے کے بعد

رسول اکرم ﷺ کی تعظیم کا درجہ ہے۔ اس کے بعد عبادت کا درجہ ہے۔ اگر تعظیم رسول نہیں تو ایمان اور عبادت کو جوڑنے والی بیچ کی اہم کڑی نہ ہونے کی وجہ سے ایمان اور عبادت میں کوئی ربط نہ رہے گا، بلکہ ایمان اور عبادت کا کنکشن ہی ٹوٹ جائے گا۔ اگر تعظیم رسول نہیں تو آدمی لاکھ عبادت کرے، اس کی عبادت بے کار ہے اور اسے ایمان کی حلاوت حاصل ہو نہیں سکتی۔

قرآن مجید کی سورۂ فتح کی آیت نمبر ۸ اور ۹ کا جو ترجمہ ہم نے یہاں پیش کیا ہے، وہ ترجمہ امام عشق ومحبت مجدد دین وملت امام احمد رضا محقق بریلوی کے ترجمہ قرآن یعنی کنزالایمان سے پیش کیا ہے ہوسکتا ہے کہ کوئی مخالف اس ترجمہ کو نہ مانتے ہوئے یہ کہے کہ اس آیت میں رسول کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور تعظیم کا ترجمہ بریلویوں نے اپنی طرف سے کر دیا ہے۔ لہٰذا غلط اور بے معنی اعتراض کرنے والے کو خاموش کرنے کے لیے یہاں پر وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں:

''ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے، تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم اور صبح وشام اس کی تسبیح میں لگے رہو۔'' (ترجمہ قرآن، بنام: بیان القرآن، از: مولوی اشرف علی تھانوی، ناشر: فرید بک ڈپو، دہلی، صفحہ نمبر: ۶۱۲)

مولوی اشرف علی تھانوی کے ترجمہ میں بھی تعظیم کا لفظی ترجمہ ہے۔

آیت شریف :

''فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' (پارہ ۹، سورۃ الاعراف، آیت نمبر: ۱۵۷)

ترجمہ :

”تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں، جو اس کے ساتھ اترا، وہی بامراد ہوئے۔“ (کنزالایمان)

اس آیت میں ایمان لانے کے بعد نبی کی تعظیم کا درجہ بتایا گیا ہے۔ اس کے بعد نبی کی حمایت کا درجہ اور پھر نبی کی پیروی کا درجہ بتایا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ ایمان لانے کے بعد تمام نیک عملوں سے مقدم نبی ﷺ کی تعظیم کا درجہ ہے۔ اگر ایمان لانے کے بعد نبی کی تعظیم کرتا ہے، تو سب عمل مقبول بارگاہ الٰہی ہیں، ورنہ تمام عمل منھ پر مار دیے جائیں گے۔ یعنی سب عمل بے کار اور رد ہو جائیں گے۔

قرآن نبی کی تعظیم کا حکم دیتا ہے اور منافق تعظیم سے روکتا ہے

قرآن مجید کی سورۂ فتح اور سورۂ اعراف کی پیش کردہ دو آیتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ نبی کی تعظیم ایمان کی جان ہے۔ اگر دل میں حضور اقدس ﷺ کی تعظیم نہیں، تو ایمان کا دعویٰ اور عمل کا ارتکاب دونوں بے کار ہیں، مگر افسوس کے آج کے دور میں منافق زمانہ شرک کے نام سے ڈرا کر لوگوں کو انبیاء اور اولیاء کی تعظیم سے روکتے ہیں اور قرآن کی آیتوں کے غلط ترجمے، مطلب، مراد اور مقصد بیان کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور لوگوں کو یہ بتاتے اور سمجھاتے ہیں کہ صرف اللہ ہی کی تعظیم کرنی چاہیئے اور اللہ کے سوا کسی کی بھی تعظیم اور کسی کا بھی ادب نہیں کرنا چاہیئے۔

حالاں کہ .....

قرآن مجید میں اللہ کے سوا دوسروں کی تعظیم اور ادب کرنے کا حکم اور ذکر کئی جگہ موجود ہے۔

یہاں پر چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

ادب کی وجہ سے نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند مت کرو

ایک صحابی رسول جن کا نام حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا، انھیں ایک

Physical Foult یعنی جسمانی نقص یہ تھا کہ وہ اونچا سنتے تھے۔ یعنی Deafness بہرا پن کی وجہ سے وہ کم سنتے تھے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ جو خود بہرا ہونے کی وجہ سے کم سنتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ ہر شخص کم سنتا ہے۔ لہذا جب وہ بات کرتا ہے تو بلند آواز سے ہی بات کرتا ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی نفسیاتی Psychology جذبہ کی وجہ سے جب بھی کسی سے بات کرتے تھے، تب اونچی آواز سے بات کرتے تھے۔ لہذا وہ جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے اور حضور اقدس جان ایمان ﷺ سے بات چیت کرتے تھے، تب بھی بلند آواز سے بات چیت کرتے تھے، ان کی آواز حضور اقدس ﷺ کی آواز مبارک سے بھی اونچی ہو جاتی تھی۔ کسی معظم شخصیت کے سامنے اونچی آواز میں بات کرنا خلاف تہذیب اور خلاف ادب ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ :

”وَ ذَالِكَ لِاَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ دَلِيْلُ قِلَّةِ الْاِحْتِشَامِ وَتَرْكِ الْاَحْتَرَامِ“

حوالہ : تفسیر کبیر، از: علامہ فخر الدین رازی، مطبوعہ: بیروت، جلد۱۴، صفحہ۱۱۳

ترجمہ :

”اور وہ اس لیے کہ آواز بلند کرنا دلیل ہے شان کی قلت (کمی) کی اور احترام (ادب) کے چھوڑ دینے کی۔“

تفسیر کبیر کے حوالہ سے ثابت ہوا کہ کسی بزرگ ذات گرامی کے ساتھ بلند آواز سے بات کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ اس طرح بلند آواز سے بات کرنے والے کے دل میں اس بزرگ کی شان و شوکت کم ہے اور وہ ادب کو چھوڑ رہا ہے۔

حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے جسمانی نقص ”ثقل سماعت“ (بہرا پن) کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ کے روبرو بلند آواز سے گفتگو کرتے تھے، لیکن مشیت الٰہی کو

یہ پسند نہ تھا کہ محبوب کے دربار میں ادب کا لحاظ اس طرح چھوڑا جائے، لہٰذا قرآن کریم میں محبوب کا ادب اور احترام سکھانے کے لیے حکم نازل ہوا کہ :

آیت شریف :

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ"

(پارہ ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت نمبر:۲)

ترجمہ :

"اے ایمان والو! اپنی آواز اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو، جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو، کہ کہیں تمھارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمھیں خبر نہ ہو۔" (کنز الایمان)

تفسیر اور شان نزول :

یعنی جب حضور میں کچھ عرض کرو، تو آہستہ پست آواز میں عرض کرو، یہی دربار رسالت کا ادب واحترام ہے۔ اس آیت میں حضور کا اجلال واکرام وادب واحترام تعلیم فرمایا گیا اور حکم دیا گیا کہ ندا کرنے میں ادب کا پورا لحاظ رکھیں، جیسے آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہیں، اس طرح نہ پکاریں بلکہ کلمات ادب وتعظیم وتوصیف وتکریم وادب وعظمت کے ساتھ عرض کرو، جو عرض کرنا ہو، کہ ترک ادب سے نیکیاں کے برباد ہونے کا اندیشہ ہے۔

شان نزول :

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی۔ انھیں ثقل سماعت تھا اور آواز ان کی اونچی تھی، بات کرنے میں آواز

بلند ہو جایا کرتی تھی، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت اپنے گھر میں بیٹھے رہے اور کہنے لگے کہ میں تو اہل نار (جہنمی) سے ہوں، حضور اقدس ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا حال دریافت فرمایا۔ حضرت سعد نے عرض کیا کہ وہ میرے پڑوسی ہیں اور میرے علم میں انھیں کوئی بیماری نہیں ہوئی، پھر حضرت سعد نے حضرت ثابت سے اس کا (یعنی حضور تمھارا حال مجھ سے پوچھ رہے تھے) ذکر کیا۔ حضرت ثابت نے کہا، کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے اور تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں، تو میں جہنمی ہو گیا، حضرت سعد نے یہ حال خدمت اقدس میں عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ اہل جنت سے ہے۔

حوالہ : تفسیر خزائن العرفان، از: علامہ صدر الافاضل، سید نعیم الدین مراد آبادی، صفحہ نمبر ۸۲۰

اس آیت کے ترجمہ، تفسیر اور شان نزول کے تعلق سے کچھ کہنے سے پہلے ایک ضروری بات بتانا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طرز عمل کیا رہا ہے۔

ادب کی وجہ سے آواز کو پست کرنے والوں کو قرآن میں سراہنا

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت صدیق اکبر اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام کا طرز عمل یہ ہو گیا تھا کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے بلند آواز سے تو کیا؟ درمیانی اور متوسط آواز میں بھی بات کرتے ہوئے ڈرتے تھے، انھیں ہر وقت خوف رہتا تھا کہ کہیں غلطی سے بھی ہماری آواز اونچی نہ ہو جائے اور ہماری تمام نیکیاں برباد نہ ہو جائیں، اس لیے انھوں نے پست آواز میں بات کرنا اپنا لیا اور اتنی پست آواز میں بات چیت کرتے تھے کہ وہ کیا کہنا چاہتے تھے وہ سمجھنا بھی مشکل ہوتا تھا، بلکہ خود حضور اقدس ﷺ ان سے فرماتے کہ کیا کہنا چاہتے ہو؟ لیکن واہ رے ادب! پھر بھی صحابہ کرام کو ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنی آواز بلند کر کے عرض کریں، انھیں ہر پل ڈر لگتا تھا کہ انجانے میں بھی کہیں ہم سے بے ادبی نہ ہو جائے اور ہمارے عمل اکارت یعنی برباد نہ ہو جائیں۔

اپنے محبوب اکرم کا ادب رکھنے کی صحابہ کرام کی یہ ادا اور طریقہ رب تبارک وتعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ صحابہ کرام کے اس طرز ادب کو قرآن مجید میں اس طرح سراہا گیا کہ:

آیت شریف :

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی ط لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ" (پارہ ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت نمبر:۳)

ترجمہ :

"بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس، وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے، ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔" (کنزالایمان)

شان نزول :

آیت ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ﴾ کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر وعمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض دیگر صحابہ نے بہت احتیاط لازم کر لی اور خدمت اقدس میں بہت ہی پست آواز سے عرض معروض کرتے، ان حضرات کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ (حوالہ: تفسیر خزائن العرفان، صفحہ نمبر:۷۲۱)

قارئین کرام غور فرمائیں کہ ان دونوں آیتوں میں رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کی تعظیم اور ادب کی اتنی اہمیت بیان فرمائی ہے پہلی آیت یعنی سورہ حجرات کی آیت نمبر۲ میں ایمان والوں کو صاف حکم دیا کہ:

- میرے محبوب کی آواز سے اپنی آواز اونچی مت کرو۔
- آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، اس طرح میرے محبوب کو مت پکارو۔

کیوں......؟؟؟

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ تمھاری ہماری طرح عام بشر نہیں بلکہ نوری بشر ہیں، ان کے جیسا نہ کوئی ہوا، نہ کوئی ہے اور نہ کوئی ہوگا۔ بلکہ اللہ نے ان جیسا نہ کسی کو پیدا فرمایا ہے، نہ پیدا فرمائے گا۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ تعظیم، توقیر، تکریم، تعریف، توصیف، ادب، احترام اور احتشام کا لحاظ رکھنا ہر ایمان والے کے لیے لازمی۔ ان کی شان میں ادنیٰ سی بے ادبی اور گستاخی کرنے سے ایمان برباد ہو جاتا ہے۔ نیکیاں اکارت ہو جاتی ہیں۔

تہذیب اور اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ کسی بھی بزرگ شخصیت کے سامنے بلند آواز سے بات چیت نہیں کی جاتی اور نہ ہی اسے نام لے کر عام انسان کی طرح مخاطب کیا جاتا ہے۔ ایسا کرنا اس بزرگ کی شان میں بے ادبی ہے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم ﷺ کی شان تمام مخلوق سے اونچی اور بڑی ہے، تو ان کا ادب بھی سب سے زیادہ ہے۔ محبوب کی شان عالی کے ادب میں کمی اور کوتاہی کرنے پر اللہ تعالیٰ نے وعید (دھمکی) بھی سنا دی ہے کہ:

- **کہیں تمہارے عمل اکارت ہو جائیں اور تمھیں خبر نہ ہو۔**

یہ وعید ان لوگوں کے لیے ہے، جو محبوب کی تعظیم نہیں کرتے، تعظیم کے آداب نہیں بجالاتے اور بے ادبی سے پیش آتے ہیں یعنی بے ادبی کرتے ہیں۔

لیکن ...

جو باادب لوگ محبوب کی تعظیم کا حق بجالاتے ہیں اور ہر وقت یہی کوشش کرتے ہیں کہ محبوب خدا ﷺ کی تعظیم اور ادب میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ ہو بلکہ وہ ہر وقت اس بات کی فکر اور ڈر میں رہتے ہیں کہ کہیں ہم سے انجانے میں بھی ادنیٰ سی بے ادبی نہ ہو جائے۔ دوسری آیت یعنی سورہ حجرات کی آیت نمبر۳ میں ایسے ادب کرنے والوں کو بشارت اور خوش خبری سناتے ہوئے ارشاد ہوا کہ:

- ■ **ان کے دلوں کواللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیے ہیں۔**
- ■ **ان کے لیے مغفرت (بخشش)اوراجرعظیم (بڑاثواب) ہے۔**

کیوں ؟ ؟ ؟

اس لیے کہ انھوں نے محبوب اکرم ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے ادب کیا، ان کا ادب کرنے والا کبھی بھی محروم اور نامرادنہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں ،نعمتوں ، برکتوں ،تحفوں ، انعاموں اورخوش خبریوں کی سوغاتوں کا حق دار ہوتا ہےاورنوازاجاتا ہے۔

حضوراقدس ﷺ کے دربارعالی کا ادب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کوتعلیم فرمایا اوررب تعالیٰ کے سچے فرماں بردار صحابہ کرام نے اپنے خالق حقیقی جلّ جلالہٗ کے فرمان عالی کے سامنے سرِتسلیم خم کرتے ہوئے محبوب اکرم کے سامنے اونچی آواز سے بولنا تو درکنار عام روش کی آواز سے بولنا بھی ترک کر دیا اور بہت ہی آہستہ اور پست آواز میں بولنا اپنایا۔ ان کا یہ کام صرف اورصرف حضور اقدس ﷺ کی تعظیم اور ادب کی وجہ سے تھا، ان کا یہ کام اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ اپنے مقدس کلام ''قرآن مجید'' میں ان ادب کرنے والوں کوسراہتے اورقدرکرتے ہوئے ارشادفرمایا کہ:

- ■ **''ان کے دلوں کوتقویٰ (پرہیزگاری) کے لیےہم نے پرکھ لیا۔''**

صرف قولی قدراورسراہنے پرہی بات ختم نہیں فرمائی بلکہ فرماں برداروں کے ادب اورتعظیم بجا لانے سے خوش ہوکر، اپنی شان کریمی سے انھیں نوازتے ہوئے مژدہ (خوشخبری) سناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

- ■ **''ان کے لیے مغفرت اوراجرعظیم ہے۔''**

سبحان اللہ !!!

کتنا بڑاانعام دیا جارہاہے۔ایک ساتھ تین تین نعمتوں اوررحمتوں سےنوازاجارہاہے۔

پہلی : تقویٰ کے لیے دل کو پرکھ لینا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اب یہ صرف تقویٰ یعنی پرہیزگاری ہی اختیار کرے گا۔ یعنی اب یہ صرف نیکی اور بھلائی کے ہی کام کرے گا۔ گناہ اور برائی سے دور رہے گا۔ اب اس کا شمارمتقیوں میں ہوگا۔ یعنی اللہ کا محبوب بندہ ہوجائے گا۔ کیوں کہ قرآن مجید میں ہے کہ:

آیت شریف :

''اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ'' (پارہ۲،البقرہ،آیت:۱۹۴) (پارہ۱۱،التوبہ،آیت:۱۲۳)

ترجمہ : ''جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔'' (کنزالایمان)

آیت شریف :

''اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ''(پارہ۳،ال عمران،آیت۷۶)(پارہ۱۰،التوبہ،آیت۴اور۷)

ترجمہ : بے شک اللہ پرہیزگاروں کودوست رکھتا ہے۔(کنزالایمان)

ایسی تو کئی آیتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔مختصر یہ کہ متقی لوگوں کی قرآن میں کئی جگہ تعریف کی گئی اور متقیوں کودنیااورآخرت کی نعمتوں کے وعدے دیے گئے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ حضوراقدس ﷺ کی تعظیم اورادب کرنے کی وجہ سے مومن کو''متقی'' کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔

دوسری: اس کے لیے مغفرت کی خوش خبری دینا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے تمام گناہ معاف کردیے گئے اور دوزخ سے اس کا چھٹکارا ہوگیا۔اور جب دوزخ سے چھٹکارا ہوگیا تو اب جنت میں داخلہ یقینی ہوگیا۔مغفرت ایک ایسی بخشش اورنعمت ہے کہ جس کو حاصل کرنے کے لیے ایک مومن بندہ زندگی کے آخری سانس تک فکرمند رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت، شریعت کی پابندی، نیکیوں کا ارتکاب، گناہوں سے اجتناب، اور دیگر محاسن کا صرف ایک ہی مقصد ہوتا

ہے اور وہ ہے مغفرت۔ ایک مومن اپنی ہر نماز میں، ہر دعا میں، اپنے رب سے مغفرت کی التجا کرتا ہے۔ زندگی بھر وہ مغفرت کی ہی خواہش میں اپنے رب سے گڑگڑاتا ہے اور دعا مانگتا ہے۔ ارے زندگی بھر تو وہ اپنے لیے مغفرت کی دعا مانگتا ہے، بلکہ اس کے انتقال کے بعد اس کی اولاد، اس کے رشتہ دار، شاگرد، مرید، محبّ، دوست، وغیرہ بھی اس کی مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اور مغفرت میں آسانی کے لیے کارِ خیر سے ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ جس کی مغفرت ہوگئی اس کی آخرت سنور گئی۔ زندگی کا مقصد حاصل ہوگیا، زندگی بھر کی عبادات اور نیکیوں کا اچھا پھل مل گیا، جس کی مغفرت ہوگئی، سمجھو کہ وہ امتحان میں کامیاب ہوگیا، لیکن ایسی انمول عنایت اور انعام اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی تعظیم اور ادب کے صدقہ میں عطا فرما رہا ہے۔

تیسری: اس کے لیے اجرِ عظیم یعنی بڑا ثواب ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اجر یعنی ثواب یعنی پھل یعنی بدلہ یعنی اجرت یعنی مزدوری کوئی معمولی نہیں، بلکہ عظیم یعنی بڑا، مہان، نہایت عمدہ، نادر ہے، یعنی یہ معمولی بدلہ نہیں، تھوڑا سا دے دیا اور خوش کر دیا نہیں بلکہ اتنا عطا فرمایا جائے گا کہ بندے کے وہم اور گمان میں بھی نہیں ہوگا۔ جب رب عظیم کی طرف سے اجرِ عظیم عطا فرمایا جائے گا، تو وہ اتنا زیادہ ہوگا کہ وہ بے حساب ہوگا، اپنی خواہش کے تصور سے بھی سوا یعنی زیادہ ہوگا۔ ایسا اجرِ عظیم ہوگا کہ انسان اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ کیوں کہ اجرِ عظیم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ ارشاد ہے کہ:

”وَ اَنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ“ (پارہ ۹، الانفال، آیت ۲۸)

”اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ“ (پارہ ۱۰، التوبہ، آیت ۲۲)

”وَيُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِيۡمًا“ (پارہ ۵، النساء، آیت ۴۰)

ترجمہ:

ان تمام آیتوں کا تقریباً ایک ہی مطلب ہے کہ ”بے شک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے“ (کنزالایمان)

اجرِ عظیم جو اللہ کے پاس ہے، اس کی مقدار، قسم، خوبی، کثرت، نوع، لطافت، بہتات، وغیرہ کا کوئی اندازہ ہی نہیں کرسکتا۔ صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ”اجر عظیم“ ملے گا اس کی قسمت ہی چمک جائے گی۔ قسمت چمکنے والی یہ عظیم نعمت نبی کریم ﷺ کی تعظیم اور ادب کرنے کے طفیل میں مل رہی ہے۔



یہاں تک کی گفتگو سے یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ سورۂ حجرات کی آیت نمبر ۲ اور ۳ سے دو باتیں سامنے آئیں:

(۱) نبی کا ادب اور تعظیم نہ کرنے والے کا عمل برباد ہو جانے کی وعید یعنی دھمکی دی گئی۔

(۲) نبی کا ادب اور تعظیم بجالانے والے کو سراہنا اور اسے مغفرت اور اجرِ عظیم کا مژدہ (خوش خبری) سنانا۔

ان دونوں یعنی وعید (دھمکی) اور مژدہ (خوشخبری) کی وجہ صرف ایک ہی ہے۔ یعنی تعظیم نبی صرف تعظیم ہی وہ سبب ہے کہ جس کی وجہ سے وعید اور مژدہ کی نوبت سامنے آئی ہے۔ یعنی تعظیم نہ کرنے والے کو وعید سنانا اور تعظیم کرنے والے کو مژدہ سنانا۔ دونوں صورتوں میں اصل وجہ صرف تعظیم ہی ہے۔ اور تعظیم بھی کس کی؟ اس محبوب خدا کی جس کی تعظیم کرنے کا صاف صاف حکم قرآن مجید کی سورۂ فتح کی آیت نمبر ۸ اور ۹ میں اس طرح دیا گیا ہے کہ:

”رسول کی تعظیم اور توقیر کرو“

علاوہ ازیں محبوب خدا ﷺ کی تعظیم کرنے والوں کے لیے قرآن مجید کی سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۸۵ میں یہاں تک کہا گیا کہ:

"جو رسول کی تعظیم کریں.....وہی بامراد ہوئے"

لیکن افسوس کہ وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت کے پیشوا اور امام مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب "تقویۃ الایمان" میں قرآن مجید کی آیت کا غلط ترجمہ اور من گڑھت تاویل کر کے یہاں تک لکھ دیا کہ نبی کی تعظیم بڑے بھائی جتنی کرو۔ (معاذ اللہ)

وہابیوں کا عقیدہ

نبی کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرو

ہاں، یہ سچ ہے کہ وہابی دیوبندی عقیدہ کے لوگ نبی کی تعظیم بڑے بھائی جیسی ہی کرتے ہیں۔

ایک حوالہ پیش خدمت ہے:

> **"آدمی آپس میں سب بھائی ہیں۔ جو بڑا بزرگ ہو، وہ بڑا بھائی ہے۔ اس کی بڑے بھائی کی طرح تعظیم کیجئے اور سب کا مالک اللہ ہے۔ بندگی اس کی کیجئے۔**
>
> **معلوم ہوا کہ اولیاء و انبیاء و امام زادہ، پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، وہ سب انسان ہی ہیں اور عاجز بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوئے۔"**
>
> **حوالہ:** تقویۃ ایمان، از: مولوی اسمٰعیل دہلوی، ناشر: الدار السّلفیہ، بمبئی، صفحہ: ۹۹

قارئین کرام سے التماس ہے کہ "تقویۃ الایمان" کی مندرجہ بالا عبارت کو نہایت غور و فکر سے دیکھیں گے، تو حسب ذیل توہین آمیز باتیں سامنے آئیں گی۔

- جو بڑا بزرگ ہے وہ بڑا بھائی ہے۔
- اس کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرنی چاہیئے۔
- انبیائے کرام اور دیگر مقرب بندے عاجز (لاچار) ہیں۔
- انبیاء، اولیاء، امام، شہداء ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہیں۔
- انبیاء، اولیاء، ائمہ اور شہداء کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرنی چاہیئے۔

انبیاء یعنی تمام نبی اور تمام نبیوں میں حضور اقدس ﷺ بھی شامل ہیں۔ مولوی اسماعیل دہلوی کے گستاخانہ تیور دیکھو، وہ تمام انبیائے کرام کو عاجز بندے یعنی مجبور اور لاچار بندے کہنے کے ساتھ ساتھ بڑے بھائی کہہ کر یہ کہتا ہے کہ ان کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرو۔

بڑا بھائی رتبہ میں باپ سے کم ہی ہوتا ہے

وہابیوں کا امام نبی کی تعظیم بڑے بھائی جیسی کرنے کا کہہ کر یہ کہہ رہا ہے کہ نبی کی تعظیم باپ کی تعظیم سے بھی کم کرو، کیوں کہ بڑا بھائی چاہے کسی دینی یا دنیوی بڑے عہدے پر ہو، کتنا ہی بڑا دولت مند ہو، باپ کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ وہ لاکھ دینی اور دنیوی عزت حاصل کر لے، مگر ہرگز باپ کے رتبہ تک نہیں پہنچ سکتا، مثال کے طور پر زید کا بڑا بھائی بڑا مال دار ہے یا عالم یا کلکٹر ہے، اس کی برادری اور سماج میں بڑی عزت ہے لیکن پھر بھی زید کے لیے اس کا بڑا بھائی اپنے باپ کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا، زید جتنی اپنے باپ کی تعظیم کرے گا اتنی تعظیم اپنے بڑے بھائی کی نہیں کرے گا بلکہ باپ کی تعظیم سے بڑے بھائی کی تعظیم کم ہی کرے گا۔

تو جب وہابیوں کا امام نبی کی تعظیم صرف بڑے بھائی کی تعظیم جیسی کرنے کا کہہ رہا ہے اس کا مطلب یہی ہوا کہ نبی کی تعظیم اپنے باپ کی تعظیم سے بھی کم کرو، ارے نبی کی تعظیم پر تو اپنے ماں باپ

بھی قربان کرنے کا جذبہ ہر مومن میں ہونا چاہئے۔اس لیے تو صحابہ کرام جب بھی بارگاہ رسالت ﷺ میں کچھ عرض کرتے تو پہلے یہی کہتے تھے:

''فِدَاكَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ ''(حوالہ: بخاری،مسلم،ترمذی،نسائی،وغیرہ کتب احادیث)

''فداک ابی وامی''یعنی یارسول اللہ آپ پر ہمارے ماں باپ قربان۔صحابہ کرام تو نبئ پاک پر اپنے ماں باپ قربان کریں اور دور حاضر کے منافق یہ کہے کہ نبی کی تعظیم صرف بڑے بھائی کی طرح کرو۔

نبی کو بڑا بھائی کہنے کے لیے یہ طریقہ اپنایا کہ عبارت کی ابتدا میں لکھا آدمی آپس میں سب بھائی ہیں۔یعنی انسانیت کا رشتہ نکالا، آدمی کی آڑ لیتے ہوئے سب کے سب انسان حضرت آدم کی اولاد ہونے کی وجہ سے آدمی کہلائے اور ہر آدمی حضرت آدم کے فرزند ہونے کے ناطے آپس میں بھائی بھائی ہوئے، نبی کے چھوٹے بھائی بننے کی آرزو میں آدمیت کا رشتہ ڈھونڈھ نکالا، پھر مجبور ہو کر نبی کی بزرگی کا اعتراف کرنا پڑا اور صرف بزرگی کی وجہ سے بڑا بھائی ماننا پڑا اور لکھا کہ جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے، واہ میاں مٹھو! واہ چھوٹے بھائی! حقیقت نسل کی منطق چھانٹ کر برادر بن بیٹھے، لیکن نبی سے برادرانہ رشتہ ناطہ جوڑنے والوں کو شاید یہ نہیں معلوم کہ نبی کے ساتھ ایک مومن کا رشتہ ''ایمان کا رشتہ'' ہوتا ہے اور ایمان کا جو رشتہ ہوتا ہے اس میں برابری کی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ بلکہ محبت اور تعظیم کا ہی تعلق ہوتا ہے۔ کیوں کہ قرآن مجید نے ایمان والوں کو نبی کے ساتھ محبت اور تعظیم کا ہی رشتہ رکھنے کی تعلیم دی ہے۔ بلکہ حکم دیا ہے۔

سب آدمی مرد آپس میں بھائی ہوئے تو عورتیں بہن ہوئیں یا نہیں؟

مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب **''تقویۃ الایمان''** میں انبیاء اور اولیاء کو اپنا بڑا بھائی کہنے کی جو گستاخی کی ہے، اس کا دفاع کرتے ہوئے دور حاضر کے منافقین یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی گستاخی یا توہین نہیں بلکہ ایک حقیقت بتائی ہے کہ سب انسان حضرت آدم کی اولاد ہونے کی وجہ سے یعنی ایک باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے آدمیت کے رشتہ میں بھائی بھائی ہیں۔

اس طرح کی بے تکی تاویل کر کے اسماعیل دہلوی کا دفاع کرنے کے ساتھ لوگوں کو بھی دھوکہ دیتے ہیں، ایسے جاہل منافق سے پوچھو کہ آدمیت کے رشتہ سے بھائی بھائی کون ہے؟ تو یہی جواب ملا کہ مرد، ان سے کہو کہ تمام مرد جب آدمیت کے رشتہ سے بھائی ہیں تو عورتیں کیا ہوئیں؟ جب مرد بھائی بھائی ہیں تو عورتیں بہن ہوں گی، یعنی تمام مرد اور عورت آدمیت کے رشتہ سے بھائی بہن ہوئے۔ جب تم نبی کو آدمیت کے رشتہ سے بڑا بھائی کہتے ہو تو نبی کی ازواج یعنی بیویوں کو آدمیت کے رشتہ سے بہن اور نبی کی بیوی ہونے کی بزرگی کی وجہ سے بڑی بہن ہی تو کہو گے۔ یعنی جب تمھارے نظریہ سے نبی بڑا بھائی ہے تو نبی کی زوجہ (بیوی) بڑی بہن ہوئی۔ اب اللہ کے مقدس کلام قرآن سے پوچھو کہ نبی کی بیوی کو بڑی بہن کہہ سکتے ہیں؟

اب قرآن کا جواب بلکہ حکم سنو۔

آیت شریف :

'' اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ''

(پارہ:۲۱،سورۃ الاحزاب،آیت نمبر:۶)

ترجمہ :

''یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔'' (کنزالایمان)

دیکھو، نبی کی ازواج کو قرآن میں مسلمانوں کی مائیں کہا گیا ہے۔ اب کیا جواب دیں گے، وہ منافقین کہ جو نبی کو بڑا بھائی کہتے ہیں، جس نبی کو بڑا بھائی کہتے ہیں اس مقدس نبی کی بیوی کو قرآن ماں کہہ رہا ہے۔

اب کہاں گیا آدمیت کا رشتہ؟ آدمیت کے رشتہ سے تو تمھارے نظریہ سے بہن یا بزرگی کی وجہ سے نبی کی بیوی ''بڑی بہن'' ہونی چاہئے۔ لیکن قرآن میں ان کو ماں کہا گیا ہے۔ یہ مرتبہ ان کو صرف نبی

کی نسبت سے ہی ملا ہے۔ نبی سے بیوی کا رشتہ ہونے سے پہلے وہ بھی عام عورت کی طرح تھیں، لیکن نبی سے زوجیت کے پاک رشتہ کے طفیل اب وہ کیا ہوگئی؟

آیت شریف :

"یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ" (پارہ:۲۲،سورۃ الاحزاب،آیت:۳۲)

ترجمہ : "اے نبی کی بیویوں تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔" (کنزالایمان)

صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے نبی کی مقدس بیوی ہونا۔ اب وہ عام عورت کی طرح نہیں۔
بلکہ تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ:

"تمھارا مرتبہ سب سے زیادہ ہے اور تمھارا اجر سب سے بڑھ کر، جہاں کی عورتوں میں کوئی تمھاری ہمسر نہیں۔"

حوالہ : تفسیر خزائن العرفان، صفحہ نمبر:۶۷۳

حل لغت:

ہمسر: برابر کا، ہم رتبہ، ہم چشم۔ (حوالہ: فیروز اللغات، صفحہ نمبر:۱۴۴۷)

نبی کو بڑا بھائی کہہ کر نبی کے ساتھ برابری کا دعویٰ کرنے والے دیکھیں کہ نبی کا وہ بلند مرتبہ ہے کہ نبی سے شادی کرنے والی عورت بھی اتنے بلند مرتبہ کو پہنچ جاتی ہے کہ اب وہ دیگر عورتوں کی طرح نہیں بلکہ قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق :

"اس کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے اور دنیا کی کوئی بھی عورت اس کے برابر نہیں۔"

افسوس کہ جس ذات مقدس، نبی اکرم ﷺ کے طفیل عام عورت کو وہ مرتبہ حاصل ہوگیا کہ اب وہ مسلمانوں کی مقدس ماں بن گئی، اسی نبی کو منافقین لوگ صرف آدمیت کے رشتہ کے بہانے بڑا بھائی کہنے کی گستاخی اور بے ادبی کرتے ہیں۔

نبی کو بڑا بھائی کہنے والے منافق اپنے مولویوں کو انسانیت سے بلند اور بزرگی والا فرشتہ کہتے ہیں

جب نبی، ولی یا دیگر ذی احترام شخصیتوں کی تعظیم کا معاملہ درپیش ہوتا ہے، تو منافقین زمانہ اپنے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" کی گمراہ کن تعلیم پر عمل کرتے ہوئے چیختے ہیں کہ :

"سب انسان آپس میں بھائی ہیں، نبی، ولی، شہید، وغیرہ بھی انسان اور لاچار بندے ہیں، ہمارے بڑے بھائی ہیں، ان کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرنی چاہیے۔"

اپنے اس باطل اور جھوٹے دعویٰ کو مناسب ثابت کرنے کے لیے قرآن اور حدیث کے غلط ترجمے اور من چاہے مطلب بیان کرکے انبیاء اور اولیاء کی شان گھٹاتے ہیں اور توحید کی آڑ میں اللہ کے محبوب اور مقبول بندوں کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرتے ہیں، **ان منافقوں نے توحید کا مطلب ہی یہی بنالیا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی شان میں گستاخی کرنا۔**

کسی ایمان والے نے نبی یا ولی کی تعظیم اور عظمت کی بات کہی، فوراً منافق لال پیلے ہوکر شرک کے خطرے کی گھنٹی بجانے لگتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی تعظیم کرنا شرک ہے اور اللہ ہی کی تعظیم کرنی چاہیے۔ یہ نعرہ لگا کر توحید کا پرچم بلند کرتے ہیں اور اپنے کو سچا موحد یعنی صحیح معنوں میں توحید کا ماننے والا بتاتے ہیں۔

ان کا توحید کا دعویٰ صرف انبیاء اور اولیاء کی تعظیم کی مخالفت تک ہی محدود ہوتا ہے، مگر جب ان کے اپنے مولوی اور پیشوا کا معاملہ ہوتا ہے تو شرک کے تمام قانون اور اصول بھول جاتے ہیں، توحید کے پرچم سمیٹ لیتے ہیں، بلکہ توحید کے پرچم کو چکنا چور کردیتے ہیں۔

آیئے! آپ کی ضیافت طبع کے لیے وہابی دیوبندی تبلیغی جماعت کی دو مستند کتابوں سے ایک حوالہ پیش ہے:

''مولوی نظام الدین صاحب مغربی حیدرآبادی مرحوم نے جو مولانا رفیع الدین صاحب سے بیعت تھے اور صالحین میں سے تھے، احقر سے فرمایا جب کہ احقر حیدرآباد گیا ہوا تھا کہ مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ میں پچیس (۲۵) برس حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور کبھی بلا وضو نہیں گیا۔ میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا ہے۔ وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا۔ جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔''

حوالہ: (۱) حکایات اولیاء، از: مولوی اشرف علی تھانوی،
ناشر: زکریا بک ڈپو، دیوبند، حکایت نمبر ۲۴۲، ص ۲۳۱
(۲) سوانح قاسمی، از: مولوی مناظر حسن گیلانی،
ناشر: دارالعلوم دیوبند (یوپی) جلد ۱، ص ۱۳۰

حل لغت:

احقر: زیادہ حقیر، (انکسار کے طور پر خود اپنے لیے کہنا) (حوالہ: فیروز اللغات، صفحہ ۴۷)

نوٹ: اس عبارت میں احقر سے مراد مولوی اشرف علی تھانوی ہے۔ تھانوی صاحب نے تواضع کے طور پر اپنے لیے احقر کا لفظ استعمال کیا ہے۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ مندرجہ بالا روایت کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اس عبارت کے ضمن میں مندرجہ ذیل نقطے پر توجہ فرمائیں:

(۱) اس حکایت کو وہابی دیوبندی تبلیغی جماعت کے پیشوا کہ جن کو وہ حکیم الامت کے لقب سے یاد کرتے ہیں یعنی مولوی اشرف علی تھانوی نے روایت کیا ہے، لہذا کوئی بھی وہابی تبلیغی شخص اس

کا انکار نہیں کر سکتا۔

(۲) جن مولوی رفیع الدین صاحب کے تعلق سے یہ حکایت بیان کی گئی ہے، وہ مولوی رفیع الدین صاحب دیوبندی کے لیے خود مولوی قاسم نانوتوی صاحب نے یہاں تک کہا کہ وہ باطنی مدارج میں مولوی رشید احمد گنگوہی کے برابر تھے۔ مولوی رفیع الدین صاحب کا شمار وہابی دیوبندی جماعت کے اکابر میں ہوتا ہے، وہ طویل عرصہ تک دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے ہیں اور مولوی قاسم نانوتوی کے خاص ساتھی اور معتمد تھے۔

(۳) انھیں مولوی رفیع الدین کا واقعہ ان کے مرید خاص مولوی نظام الدین صاحب حیدرآبادی نے تھانوی صاحب سے حیدرآباد میں بیان کیا ہے۔ تب تھانوی صاحب حیدرآباد گئے ہوئے تھے، انھیں مولوی نظام الدین صاحب حیدرآبادی کے لیے اسی حکایت میں مولوی اشرف علی تھانوی نے کہا ہے کہ ''**صالحین میں سے تھے**'' یعنی متقی اور پرہیزگار تھے۔ لہذا ان کا بیان کیا ہوا واقعہ سچائی پر مبنی اور قابل اعتماد ہے۔ اس لیے تو تھانوی صاحب نے اس واقعہ کو حکایت اولیاء کتاب میں بیان کیا اور تھانوی صاحب کے حوالہ سے مولوی قاسم نانوتوی کے سوانح نگار مولوی مناظر حسن گیلانی نے اپنی کتاب سوانح قاسمی میں نقل کیا ہے، جس کو دارالعلوم دیوبند نے شائع کیا ہے۔

(۴) مولوی اشرف علی تھانوی صاحب روایت کرتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولوی رفیع الدین صاحب نے فرمایا کہ:

''میں پچیس برس حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور کبھی بلا وضو نہیں گیا''

واہ کیسی تعظیم ہے، کیسا ادب ہے، کیسی عقیدت اور محبت ہے۔ اب نبی کی تعظیم کا معاملہ نہیں کہ شرک کے فتوے کی مشن گن چلائی جائے، توحید الٰہی کا پرچم بلند کیا جائے، اب تو اپنی جمات

کے پیشوا کا معاملہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی صاحب کی تعظیم کا معاملہ ہے۔ نانوتوی صاحب کسی عام آدمی اور بڑے بھائی کی طرح نہیں، ان کی تو جتنی بھی تعظیم کی جائے کم ہے۔ مولوی رفیع الدین صاحب کے دل میں نانوتوی صاحب کی تعظیم کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے باوضو ہونا ضروری ہے۔ یہی نانوتوی صاحب کی تعظیم کا تقاضا ہے۔ ان کی خدمت میں بغیر وضو جانا بے ادبی ہے۔ خلاف تعظیم ہے۔ اسی لیے تو ہمیشہ باوضو ہی نانوتوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

صرف ایک دو مرتبہ کا اتفاق نہیں بلکہ پورے پچیس سال تک یعنی تین سو مہینے تک یعنی نو ہزار دنوں تک کی لمبی مدت میں ایک مرتبہ بھی مولوی رفیع الدین صاحب بلا وضو خدمت نانوتوی میں نہیں گئے، بلکہ جب بھی گئے باوضو ہی گئے، اسی لیے تو کہا کہ کبھی بھی بلا وضو نہیں گیا۔

کیا نانوتوی صاحب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولوی رفیع الدین صاحب کے لیے ''نماز'' تھے؟ کہ حالت حدث میں بحیثیت محدث (بے وضو) جانا بے ادبی ہے۔

(۵) بات صرف باوضو خدمت نانوتوی میں حاضر ہونے پر نہیں رکتی، بلکہ اب تو تعظیم نانوتوی کے پل باندھے جا رہے ہیں، نبی کو صرف عام انسان اور بڑا بھائی کہنے والے منافق اپنے پیشوا کی تعریف اور تعظیم میں یہاں تک کہتے ہوئے ذرا بھر بھی نہیں جھجکتے کہ ''**میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا ہے۔**'' یعنی نانوتوی صاحب انسانیت کے درجے سے بھی بالا یعنی بلند تھے، جب نبی کا معاملہ ہوتا ہے تب ''**آدمی آپس میں سب بھائی ہیں**''، کا نعرہ بلند کر کے آدمیت کا رشتہ جتا کر نبی کو عام انسان اور لاچار بندہ کہہ کر یہ کہتے ہیں کہ ان کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرنی چاہیئے۔ اور نبی کو صرف بڑے بھائی جتنی ہی اہمیت دیتے ہیں، لیکن جب اپنے پیشوا کا معاملہ ہوتا ہے تو اپنے پیشوا کی تعظیم کے ایسے جاپ جپتے ہیں کہ توحید کے اصول

اور شرک کے فتوے بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور اپنی جماعت کے کٹ ملوں کی محبت اور عقیدت میں ایسے اندھے ہو جاتے ہیں کہ ان کی عقل اور دانش کا طوطا اڑ جاتا ہے اور انھیں یہ بھی ہوش نہیں رہتا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔

(۶) دیکھو! نبی کو بڑا بھائی کہنے والے اپنے پیشوا کے لیے یہاں تک کہتے ہیں کہ ''**میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا ہے۔**'' یعنی مولوی قاسم نانوتوی کا مرتبہ اور درجہ انسانیت سے اونچا اور بلند ہے۔ اور کیسے خطرناک انداز میں مولوی صاحب کی عظمت بیان کی جا رہی ہے۔ بلکہ نانوتوی صاحب کے مقابلہ میں انبیائے کرام کی شان گھٹائی جا رہی ہے۔ نانوتوی صاحب کو انسانیت کے درجہ سے بالا یعنی بلند مرتبہ والا بتایا جا رہا ہے۔ نانوتوی صاحب کو بڑا بھائی نہیں کہا جا رہا ہے۔ کیوں کہ بڑا بھائی تو وہی ہو سکتا ہے جو صرف آدمی ہو، انبیاء، اولیاء، امام، پیر اور شہید کو تو بلا جھجک آدمی کہہ دیا، صرف آدمی ہی نہیں بلکہ عاجز بندہ بھی کہہ دیا اور بعد میں بڑا بھائی کہہ کر خود چھوٹے میاں بن بیٹھے۔ لیکن نانوتوی صاحب کا جب معاملہ آیا تو اب نانوتوی صاحب صرف آدمی، بشر اور انسان کے عام مرتبہ کے نہ رہے، بلکہ ان کا درجہ انسانیت سے بالا نظر آنے لگا۔

(۷) مولوی اشرف علی تھانوی کی روایت کی ہوئی عبارت میں مطلق انسانیت کا لفظ ہے۔ یعنی تمام انسان۔ لفظ انسانیت کو مطلق یعنی عام (Common) کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جتنے بھی انسان گزرے ہیں، جتنے بھی انسان موجود ہیں اور جتنے بھی انسان بعد میں آئیں گے، وہ عام انسان یا آدمی یا بشر سب کے سب انسانیت کے حامل ہیں، لیکن وہابیوں کے پیشوا نانوتوی صاحب تو انسانیت کے درجہ سے بھی بالا یعنی بلند ہیں۔ (معاذ اللہ)

اس کا ایک مطلب یہ ہوا کہ تمام انبیائے کرام اور تمام مرسلین عظام اور خاص کر سید الانبیاء و

المرسلین ،حضور اقدس ﷺ انسانیت کے درجہ تک محدود ہیں،مگر دار العلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی صاحب تو انسانیت کے درجہ سے بھی اونچے اور بلند ہیں۔ در پردہ نانوتوی جی کا درجہ انبیاء اور مرسلین سے بڑھانے کی مذموم حرکت کی گئی ہے۔

(۸) اب نانوتوی صاحب کو گناہوں سے معصوم ثابت کرنے کے لیے یہ کہا کہ **''وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا، جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا''** صرف فرشتہ کہنے سے اطمینان نہیں ہوا۔اس لیے فرشتہ کے ساتھ ''مقرب'' کی قید لگائی،فرشتوں کے کئی درجات ہیں۔تمام فرشتوں میں سب سے بلند درجہ حضرت جبریل،حضرت میکائیل،حضرت عزرائیل،اور حضرت اسرافیل کا ہے، ان کو مقرب فرشتے کہتے ہیں،مقرب کا مطلب بزرگی والا،قربت یعنی نزدیکی والا ہوتا ہے۔ ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ سے قرب یعنی نزدیکی حاصل ہے۔لہذا ان کو مقرب فرشتہ کہتے ہیں، تمام فرشتے معصوم ہوتے ہیں،یعنی ان سے گناہ نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ نے تمام کے تمام فرشتوں کو گناہوں سے ایسا پاک اور محفوظ فرمایا ہے کہ ان سے کبھی گناہ نہیں ہوتا۔

اب آپ حکایت اولیاء کتاب کی تھانوی صاحب کے ذریعہ بیان کی ہوئی حکایت کے آخری جملے کو دیکھیں کہ دار العلوم دیوبند کا بانی مولوی قاسم نانوتوی:

- بزرگی والا یعنی مقرب فرشتہ تھا۔
- فرشتہ گناہوں سے پاک اور محفوظ ہوتا ہے،لہذا نانوتوی جی بھی معصوم تھے۔
- نانوتوی صاحب دراصل یعنی واقعی یعنی اصل روپ میں (Basically) فرشتہ ہی تھے،جن کو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔
- بلکہ نانوتوی صاحب کا پوری انسانیت پر احسان جتایا جا رہا ہے کہ وہ انسانیت سے بلند درجہ والے اور مقرب فرشتہ ہونے کی باوجود بھی انسانوں میں ظاہر ہوئے۔ یہ نانوتوی صاحب کا

تمام انسان پر احسان ہے کہ وہ اتنے عظیم درجے سے نیچے اتر کر انسانوں کی فلاح کے لیے انسانوں میں تشریف لائے۔

- ایک اہم بات کی بحث بھی کر لیں کہ انبیائے کرام اور خاص کر سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت اور تعظیم کا جب معاملہ ہوتا ہے،تب منافقین زمانہ چیخ چیخ کر قرآن اور حدیث سے دلیل طلب کرتے ہیں، بلکہ ہر وقت ان منافقوں کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ نبی کی شان گھٹانے کے لیے قرآن مجید کی آیت متشابہات ہی پیش کرتے ہیں یا پھر ضعیف اور موضوع حدیثیں بیان کرتے ہیں۔لہذا اب ہم ان سے سوال پوچھتے ہیں کہ:
- نانا توی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے باوضو رہنا،قرآن کی کون سی آیت یا کونسی حدیث سے ثابت ہے؟
- قرآن کی کون سی آیت یا کون سی حدیث میں ایسا بیان ہے کہ نانوتوی صاحب کا درجہ انسانیت سے بالا ہے۔
- نانوتوی صاحب فرشتہ مقرب ہیں اس کا ثبوت کسی آیت قرآن یا حدیث سے دے سکتے ہو؟

الحاصل ! وہابی دیوبندی،تبلیغی جماعت کا اصل مقصد انبیاء کرام، اولیاء عظام اور اللہ کا قرب رکھنے والے محبوب اور مقبول بندوں کی شان گھٹانے کے لیے ہمیشہ توحید الٰہی کی آڑ لینا ہے۔لیکن جب اپنے پیشوا اور ملاؤں کا معاملہ ہوتا ہے،تب توحید اور شرک کے تمام اصول بھول جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے قوم مسلم کا رشتہ توڑنے کے لیے ہمیشہ قرآن مجید کی آیت کا سہارا لے کر اس کا من چاہے ترجمہ اور تفسیر بیان کر کے گمراہی پھیلاتے ہیں۔

مثال کے طور پر:

جب کوئی مسلمان اپنے پیارے آقا و مولیٰ ﷺ کو مصیبت کے وقت پکارتا ہے اور مدد طلب کرتا ہے،تب نبی کے دشمن منافقین زمانہ فوراً قرآن کی آیت پیش کرتے ہیں کہ :

"اِيَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاکَ نَسۡتَعِيۡنُ"

سورۂ فاتحہ کی یہ آیت پیش کر کے اس کا ترجمہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ پھر اس آیت کے ترجمہ کے ضمن میں اپنی طرف سے گپ لگاتے ہوئے یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے بھی مدد نہ مانگنے کا حکم دیا ہے اور صرف اللہ سے ہی مدد مانگنے کا حکم دیا ہے۔ لہذا ہمیں کسی نبی یا ولی سے ہرگز مدد نہیں مانگنی چاہیئے۔ کیوں کہ اللہ کے سوا کسی سے مدد مانگنا شرک ہے۔ (معاذ اللہ)

ذرا غور کریں کہ .....

آیت کے ضمن میں اپنے باطل خیالات کو شامل کر کے مفہوم کتنا بگاڑ ڈالا، بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ کسی نبی یا ولی سے بھی مدد نہیں مانگنی چاہیئے۔ **ایک بات خود یاد رکھیں کہ وہابی دیوبندی مذہب میں توحید کا مطلب ہی انبیاء اور اولیاء کی شان میں توہین اور گستاخی کر کے قوم مسلم کے دلوں سے ان مقدس ہستیوں کی عظمت گھٹا کر ان سے مسلمانوں کا رشتہ اور تعلق توڑنا ہے۔**

بے شک حقیقی مدد کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی عطا سے اپنے محبوب بندوں کو بھی یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی طاقت اور تصرف سے اپنے چاہنے والوں کی مدد کر سکتے ہیں جیسا کی پچھلے صفحات میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ حقیقی اور مجازی یعنی ذاتی اور عطائی کا فرق سمجھے بغیر اگر کوئی شخص قرآن مجید کے ظاہری الفاظ ہی کے معنی اخذ کر کے آیت کا مطلب اور مفہوم سمجھنے کی کوشش کرے گا، تو وہ بڑی گڑ بڑی کھڑی کر دے گا، بلکہ ہدایت پانے کے بجائے گمراہ ہو جائے گا، جیسا کہ دور حاضر کے وہابی دیوبندی تبلیغی اور غیر مقلد فرقہ کے لوگ گمراہ ہوئے ہیں۔

اگر قرآن مجید کی سب آیتوں کے ظاہری معنی کو ہی لیا جائے گا تو قرآن کا صحیح مفہوم ہرگز سمجھ میں نہیں آئے گا، بلکہ توحید اور شرک جیسے اہم معاملات اور اس کے مسائل میں بڑی الجھن پیدا ہوگی۔

قرآن مجید کی آیت "اِيَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاکَ نَسۡتَعِيۡنُ" پیش کر کے انبیاء اور اولیاء سے مدد مانگنے کو شرک ٹھہرانے والے گمراہ فرقے کے لوگوں سے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ جب آپ لوگ قرآن مجید کی آیت کے لفظی معنی پر ہی عمل کرتے ہو تو صرف اسی ایک آیت پر ہی کیوں اصرار کرتے ہو، قرآن مجید میں مختلف قسم کا بیان ہے۔

مثال کے طور پر :

☆ **آیت نمبر ۱ سے ۹ :**

"لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ"

ترجمہ : "اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔" (کنزالایمان)

حوالہ :

(۱) پارہ نمبر ۳، سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۲۸۴
(۲) پارہ نمبر ۴، سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۰۹
(۳) پارہ نمبر ۴، سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۲۹
(۴) پارہ نمبر ۵، سورۃ نساء، آیت نمبر ۱۲۶
(۵) پارہ نمبر ۵، سورۃ نساء، آیت نمبر ۱۳۱
(۶) پارہ نمبر ۵، سورۃ نساء، آیت نمبر ۱۳۲
(۷) پارہ نمبر ۲۱، سورۃ لقمان، آیت نمبر ۲۶
(۸) پارہ نمبر ۲۷، سورۃ نجم، آیت نمبر ۳۱
(۹) پارہ نمبر: ۵، سورۃ نساء، آیت نمبر ۱۷۰

☆ **آیت نمبر ۱۰ سے ۱۶**

"لَهٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ ۵"

ترجمہ : "اسی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں"۔ (کنزالایمان)

حوالہ :

(۱) پارہ نمبر۱۱، سورہ یونس، آیت نمبر۶۸

(۲) پارہ نمبر۱۶، سورہ نساء، آیت نمبر۱۷۱

(۳) پارہ نمبر۱۷، سورہ حج، آیت نمبر۶۴

(۴) پارہ نمبر۲۲، سورہ سبا، آیت نمبر۱

(۵) پارہ نمبر۲۵، سورہ شعراء، آیت نمبر۴

(۶) پارہ نمبر۱۳، سورہ ابراہیم، آیت نمبر۲

(۷) پارہ نمبر۱۴، سورہ نحل، آیت نمبر۵۲

☆ **آیت نمبر : ۱۷**

"اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"

ترجمہ : "سن لو، بے شک اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں"۔ (کنزالایمان)

حوالہ :

(۱) پارہ نمبر۱۱، سورہ یونس، آیت نمبر۵۵

☆ **آیت نمبر : ۱۸**

"اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ"

ترجمہ : "سن لو، بے شک اللہ ہی کی ملک ہیں، جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمینوں میں"۔

حوالہ :

(۱) پارہ نمبر۱۱، سورہ یونس، آیت نمبر۶۶

☆ **آیت نمبر : ۱۹ سے ۲۰**

"وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ"

ترجمہ : "اور اسی کے ہیں، جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں"۔ (کنزالایمان)

حوالہ :

(۱) پارہ نمبر۱۷، سورہ انبیاء، آیت نمبر۱۹

(۲) پارہ نمبر۲۱، سورہ روم، آیت نمبر۲۶

یہاں تک ہم نے صرف بیس آیات قرآن پیش کی ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ صاف ارشاد فرماتا ہے کہ:

"آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، جتنے بھی ہیں، وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ اللہ ہی کی ملک ہیں، اللہ ہی کے ہیں۔"

یعنی اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے، جو کوئی بھی ہے، ان سب کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ سب کچھ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اللہ کے سوا کسی کا کچھ بھی نہیں، اللہ کے سوا کوئی بھی اس کائنات کی کسی بھی چیز کا مالک نہیں۔

ہم روزانہ اپنے گھریلو زندگی، خانگی، سماجی، قومی، بیوپاری، تجارتی، مذہبی، ریاستی اور دیگر معاملوں میں عام طور بولتے ہیں کہ:

میرا گھر، میری موٹر کار، راجا کا محل، نواب کی حویلی، زید کا کارخانہ، خالد کی فیکٹری، بکر کی دوکان، عمرو کی ہوٹل، حسین کا گیسٹ ہاؤس، احمد کا کھیت، حسن کا باغ، میرا مال، تیرا سامان، ابا کی

جائداد، ہاشم کا اسکوٹر، سکندر کا ٹرک، حاجی کا ورک شاپ، سلیم کا پریس، حکیم کا دواخانہ، ابراہیم کا ڈھابہ، ڈاکٹر کا اسپتال، میرا قلم، میرا چشمہ، تیرا جوتا، بھائی کا کرتا، بہن کا دوپٹہ، بیوی کا زیور وغیرہ وغیرہ۔

المختصر! ہم روز ''**یہ میرا، یہ تیرا، یہ اس کا، وہ اس کا**'' بولتے اور کہتے ہیں، صرف کہتے اور سنتے ہی نہیں بلکہ مانتے بھی ہیں کہ یہ میرا ہے، یہ تیرا ہے۔ حالاں کہ قرآن مجید میں صاف اور کھلے لفظوں میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

''اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔''

لیکن ہم جن چیزوں کی نسبت یعنی جو کچھ بھی آسمان اور زمین کے بیچ میں ہے، اس کی نسبت ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں کہ یہ چیز تیری ہے اور یہ چیز میری ہے۔ اس طرح کی نسبت کرتے وقت ہمیں کوئی ڈر یا خطرہ محسوس نہیں ہوتا کہ ہم نے فلاں چیز کی نسبت فلاں شخص کے ساتھ کر کے قرآن مجید کے صاف ارشاد کے خلاف یا شرک کا کوئی کام کیا ہے۔ بلکہ ہر چیز کے ساتھ ہر طرح کی نسبت اتنی ضروری ہوگئی ہے کہ اس کے بغیر آدمی کا کوئی بھی کام نہیں چل سکتا۔ مثال کے طور پر :

خالد کسی ضروری کام سے اپنے دوست عمران کے گھر جا رہا تھا، راستہ میں اسے پولیس نے روکا، کیوں کہ رات کے دو بجے کا وقت تھا، سناٹا چھایا ہوا تھا اور ان دنوں شہر میں چوری کے کئی واقعات ہوئے تھے، جس محلے میں خالد کو پولیس والے نے روکا تھا، اس محلے کا عمران کارپوریٹر (Carporetar) تھا، بلکہ میونسپلٹی کا نائب صدر ہونے کی وجہ سے خوب مشہور تھا، خالد اس محلے کے لیے انجانا تھا، کیونکہ اس کا گھر اس محلّہ سے کافی دور تھا، لیکن خالد کو ایسا ضروری کام پیش آیا تھا کہ رات دو (۲) دو بجے اسے اپنے گھر سے نکل کر اپنے بچپن کے دوست عمران کے گھر کی طرف جانا پڑا تھا، ایک خاص بات یہ ہوئی تھی کہ خالد جس اسکوٹر پر سوار ہو کر جا رہا تھا اس میں **R.T.O.** کی نمبر پلیٹ بھی لگی ہوئی نہیں تھی۔

بغیر نمبر پلیٹ کے اسکوٹر پر رات کے دو بجے کسی انجان شخص کو جاتے دیکھ کر پولیس نے روکا

اور پوچھا کہ کون ہو؟ کہاں سے آتے آتے ہوں؟ کہاں جا رہے ہو؟ خالد نے ان سوالوں کا فوراً جواب دینے کی بجائے سوچنے لگا کہ قرآن میں تو اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ '' **لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** '' یعنی اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ لہٰذا بے شک میں اپنے مکان سے آیا اور عمران کے مکان کی طرف جا رہا ہوں، لیکن میرا مکان اور عمران کا مکان تو قرآن کے فرمان کے مطابق اللہ ہی کا ہے۔ لہٰذا اس نے پولیس کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ:

''جناب میں اس مکان سے آیا ہوں جو اللہ کا ہے، اور ضروری کام سے اس مکان کی طرف جا رہا ہوں جو اللہ کا ہے۔''

خالد کا یہ جواب سن کر پولیس کو غصہ بھی آیا اور خالد کے شریف آدمی ہونے پر بھی شک ہونے لگا، کیوں کہ خالد نے پولیس کے سوال کا جواب تھوڑی دیر سوچنے کے بعد دیا تھا اور جواب بھی ایسا دیا تھا کہ کسی کی سمجھ میں نہ آسکے، پولیس کو پختہ شک ہوگیا کہ اوٹ پٹانگ جواب دینے والا یہ شخص کوئی چور معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا پولیس نے لال آنکھ کرتے ہوئے، اپنا رویہ بدلا اور خالد کو چوری کے ارادے سے بھٹکتا ہوا مجرم سمجھ کر ذلیل کرتے ہوئے حوالات میں بند کر دیا۔

ذرا غور فرمائیں۔

خالد نے پولیس کو جواب دیتے ہوئے جو کہا، وہ واقعی قرآن کے ارشاد کے نچوڑ کے روپ میں تھا، مگر اس طرح کا جواب دینا اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنا ہے، بلکہ یہاں پر لازم تھا کہ وہ یہ کہے کہ میں اپنے مکان سے عمران صاحب کے مکان کی طرف جا رہا ہوں، اگر ہم نے اس طرح کی نسبتیں کرنا قرآن کے خلاف سمجھ کر اور شرک کا خطرہ سمجھ کر چھوڑ دیا تو ہمارا جینا مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا ہم ہماری روزانہ کی گفتگو میں یہ تیرا، یہ میرا، وہ اس کا وغیرہ نسبت کرتے ہیں اور اس طرح کی نسبت شرعًا جائز اور مناسب ہے۔

ذرا ان منافقین زمانہ سے پوچھو کہ جناب جب ہم اولیاء اور انبیاء سے مدد مانگتے، ہیں تب آپ فوراً آستین چڑھا کر لڑنے مرنے، مارنے، پیٹنے، پٹانے کے لیے تیار ہو جاتے ہو اور چیخ چیخ کر ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ '' آیت کریمہ پیش کر کر کے شرک کے خطرے کی گھنٹی زور زور سے بجاتے ہو۔صرف ایک آیت کا سہارا لے کر انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے مدد مانگنے سے قوم مسلم کو روکتے ہو اور اس طرح مدد مانگنے کو شرک اور قرآن کے خلاف کہتے ہو، تو اب ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچ کر جواب دو کہ قرآن میں کئی مرتبہ صاف لفظوں میں ارشاد رب تعالیٰ ہے کہ: جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کی ملک ہے۔لیکن تم اپنے مکان اور فیکٹری اور دوسری چیزوں کے لیے یہ کہتے ہو کہ یہ مکان میرا ہے، یہ زمین میری پراپرٹی (Property) ہے، اس فیکٹری کا مالک میں ہوں، تو اب بتایئے یہ بھی شرک ہے ؟

اس سوال کے جواب میں منافقین زمانہ کہتے ہیں کہ نہیں شرک نہیں، کیوں اللہ نے ہم کو اپنی عطا سے ان چیزوں کا مالک بنایا ہے۔ذاتی اور حقیقی مالک تو اللہ ہی ہے، ہم تو عطائی اور مجازی مالک ہیں، ان لوگوں کے اس جواب پر ہم گرفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم بھی انبیاء اور اولیاء سے جو مدد مانگتے ہیں وہ بھی ہرگز شرک نہیں بلکہ اللہ نے اپنی عطا سے اپنے محبوب بندوں کو تصرف کا اختیار اور مدد کرنے کی طاقت دی ہے۔ذاتی اور حقیقی مددگار تو اللہ ہی ہے، انبیاء اور اولیاء تو عطائی اور مجازی مددگار ہیں۔

حد سے زیادہ نبی کریم ﷺ سے عداوت

اس زمانہ کے صرف نام کے مسلمان اور حقیقت میں کھلے منافق یعنی وہابی تبلیغی جماعت کے لوگوں کو انبیاء اور اولیاء سے اور خاص کر سید الانبیاء والمرسلین، حضور اقدس رحمت عالم ﷺ سے اتنی خاص دشمنی ہے کہ وہ لوگ انبیاء اور اولیاء سے مدد مانگنے کو شرک بتانے کے ساتھ ساتھ انبیاء اور اولیاء کا وسیلہ اور ان کے وسیلے سے دعا مانگنے سے بھی روکتے ہیں۔

حد تو یہ ہوگئی کہ ہزاروں سال سے جس واقعہ کے صحیح ہونے میں کسی نے بھی شک نہیں کیا اور ملت اسلامیہ کے جلیل القدر علماء، محدثین، مفسرین، مجتہدین، مستنبطین، محققین، اولیاء اور فقہاء نے قبول رکھا بلکہ عظیم الشان صحابہ کرام، تبع تابعین نے جسے روایت فرمایا۔ایسا مشہور اور صحیح واقعہ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا حضور اقدس ﷺ کے صدقہ اور وسیلے سے قبول ہونے کا واقعہ بھی اب ہزار سالوں کے بعد اس زمانہ کے منافق یعنی وہابی، نجدی، دیوبندی، تبلیغی جماعت کے لوگ غلط بتا رہے ہیں۔

جس کتاب کا اس وقت ہم رد لکھ رہے ہیں یعنی وہابی مصنف ابو خالد کی ہندی کتاب '' قرآنی درس توحید'' (خبردار ہوشیار رہو) کے صفحہ نمبر ۳۶ سے ۳۹ تک حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کے واقعہ کے ضمن میں سراسر جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ:

- **''حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ حضور اقدس ﷺ کے وسیلے سے دعا کرنے سے قبول نہیں ہوئی ہے۔ (معاذ اللہ)**
- **کائنات کی پیدائش کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے، حضور اقدس ﷺ کی ذات نہیں۔''**

اب ہم مذکورہ دونوں غلط باتوں کا جواب قرآن مجید کی معتبر تفسیروں اور حدیث کی صحیح اور معتمد کتابوں سے الگ الگ عنوان سے دیتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا حضور اقدس ﷺ کے وسیلہ سے قبول ہونا

سب سے پہلے ہم حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ قبول ہونے کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔

اشرف التفسیر (تفسیر نعیمی) جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۳۰۱، ناشر: نعیمی کتب خانہ، گجرات، پاکستان میں تفسیر عزیزی، تفسیر روح البیان اور تفسیر خزائن العرفان کے حوالے سے طبرانی، حاکم، ابو نعیم اور بیہقی کی روایت نقل فرمائی ہے کہ :

''حضرت سیدنا عمر فاروق اور حضرت سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی پریشانی انتہاء کو پہنچ چکی، تو ان کو ایک دن یاد آیا کہ میں نے اپنی پیدائش کے وقت عرش اعظم پر لکھا دیکھا تھا کہ ''**لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ**'' جس سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کا وہ درجہ ہے کہ ان کا نام عرش اعظم پر رب کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ تدبیر یہی ہے کہ انھیں کے وسیلے سے دعائے مغفرت کروں۔ چنانچہ اس دعا کے ساتھ یہ بھی عرض کیا ''اَسئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَلِی'' ابن منظور کی روایت میں یہ کلمات ہے۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسئَلُکَ بِجَاہِ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَکَرَامَتِہٖ عَلَیْکَ اَنْ تَغْفِرَلِیْ '' یعنی یارب! میں تجھ سے تیرے بندۂ خاص حضرت محمد مصطفی ﷺ کی عزت اور مرتبہ کے طفیل اور اس بزرگی کے صدقہ میں جو انھیں تیرے دربار میں حاصل ہے، مغفرت چاہتا ہوں۔ تب فوراً جواب الٰہی آیا کہ اے آدم! تم نے اس شہنشاہ کو کہاں سے جانا؟ حکم الٰہی آیا کہ اے آدم! وہ محبوب سب پیغمبروں سے پچھلے پیغمبر ہیں۔ تمھاری اولاد سے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو تم کو بھی پیدا نہ کیا جاتا۔''

مندرجہ بالا روایت کے صحیح ہونے میں ذرا برابر بھی شک وشبہ نہیں ہے۔ لیکن آج کل ہر بات پر دلیل طلب کی جاتی ہے۔ لہذا قرآن مجید کی معتبر تفسیر اور کتب احادیث کے کچھ حوالے پیش خدمت ہیں۔

حوالہ نمبر : ۱

''عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "أَنَّ آدَمَ قَالَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ أَنْ تَغْفِرَ لِیْ

قَالَ: وَ كَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّداً قَالَ: لَمَّا خَلَقْتَنِيْ وَ نَفَخْتَ فِيَّ الرُّوحَ فَتَحْتُ عَيْنَيَّ فَرَأَيْتُ عَلٰى سَاقِ الْعَرْشِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ أَنَّهُ أَكْرَمُ الْخَلْقِ عَلَيْكَ حَتّٰى قَرَنْتَ إِسْمَهُ بِإِسْمِكَ فَقَالَ : نَعَمْ وَ غُفِرَ لَهُ بِشَفَاعَتِهِ۔''

حوالہ : تفسیر روح البیان، الإمام العالم الفاضل شیخ إسماعیل حقی، المتوفی: ۱۱۳۷ھ، المجلد الاول، صفحہ: ۱۵۱، مطبوعۃ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

ترجمہ :

''نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے حضرت محمد علیہ الصلاۃ والسلام کے طفیل بخش دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے محمد (ﷺ) کو کیسے پہچانا؟ عرض کیا اے اللہ! جب تو نے مجھے پیدا کر کے میرے اندر روح پھونکی، تو میں نے آنکھ کھولی تو عرش پر لکھا دیکھا ''لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ'' اس سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ تیرے نزدیک تمام مخلوق سے برگزیدہ ہیں کہ ان کے نام کے ساتھ تیرا نام لکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ حضور اقدس ﷺ کے وسیلے سے قبول ہوئی۔''

حوالہ نمبر : ۲

" رَأٰى مَكْتُوْبًا عَلٰى سَاقِ الْعَرْشِ، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَتَشَفَّعَ بِهٖ."

حوالہ : روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، العلامۃ ابوالفضل شہاب الدین السید محمود الآلوسی، المتوفی: ۱۲۷۰، المجلد الاول، صفحہ: ۲۳۸، مطبوع: دار الکتب العلمیۃ، بیروت

ترجمہ :

''حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے عرش پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا، تو اس کے وسیلے سے مغفرت چاہی۔''

حوالہ نمبر : ۳

"وَقَالَتْ طَائِفَةٌ: رَأَى مَكْتُوباً عَلَى سَاقِ الْعَرْشِ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" فَتَشَفَّعَ بِذٰلِكَ۔"

حوالہ : تفسیر القرطبی،لأبی عبداللہ محمد بن أحمد الأنصاری القرطبی،المتوفی:۶۷۱، المجلد الاول،صفحہ:۲۲۱،مطبوع:دارالکتب العلمیۃ،بیروت

ترجمہ :

"ایک جماعت کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے عرش پر محمد رسول اللہ لکھا دیکھا تو اسی کے وسیلے سے رب تعالیٰ سے سفارش کی۔"

حوالہ نمبر : ۴

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيْئَةَ قَالَ يَا رَبِّ أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَّا غَفَرْتَ لِيْ، فَقَالَ اللّٰهُ: يَا آدَمُ وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ اَخْلُقْهُ؟ قَالَ: يَا رَبِّ لِأَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِيْ بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُّوْحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِيْ فَرَاَيْتُ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلٰى إِسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ۔ فَقَالَ اللّٰهُ: صَدَقْتَ يَا آدَمُ إِنَّهُ لَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ اُدْعُنِيْ بِحَقِّهِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَّا خَلَقْتُكَ۔"

حوالہ : المستدرک علی الصحیحین،للإمام الحافظ ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیساپوری (المتوفی ۴۰۵ھ) المجلد الثانی،صفحہ:۶۷۲،مطبوع:دارالکتب العلمیۃ،بیروت

ترجمہ :

"رسول اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی ،تو عرض

گزار ہوئے کہ اے رب میں حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا؟ حالاں کہ میں نے ان کو ابھی پیدا نہیں فرمایا، حضرت آدم نے عرض کی کہ اے رب! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر عرش کے اوپر "لا إله إلا الله محمد رسول الله" لکھا دیکھا، پس مجھے معلوم ہوگیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ مخلوق میں سب سے محبوب ترین کا نام نامی لکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تو نے سچ کہا، یقیناً وہ مخلوق میں میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں، ان کے وسیلے سے مجھ سے دعا مانگ، میں تجھے بخش دوں گا، اگر محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

حوالہ نمبر : ۵ اور ۶

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "لَمَّا إِقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيْئَةَ قَالَ: يَا رَبِّ، أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَّا غَفَرْتَ لِيْ، فَقَالَ اللّٰهُ يَا آدَمُ، وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ أَخْلُقْهُ؟ قَالَ: لِأَنَّكَ يَا رَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِيْ بِيَدِكَ، وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُّوْحِكَ، رَفَعْتُ رَأْسِيْ فَرَأَيْتُ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلٰى إِسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ، فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: صَدَقْتَ يَا آدَمُ، إِنَّهُ لَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ، وَإِذَا سَأَلْتَنِيْ بِحَقِّهٖ قَدْ غَفَرْتُ لَكَ، وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ" رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِهٖ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ وَقَالَ تَفَرَّدَ بِهٖ عَبْدُالرَّحْمٰنِ وَرَوَاهُ الْحَاكِمُ وَصَحَّحَهٗ، وَذَكَرَهُ الطِّبْرَانِيُّ وَزَادَ فِيْهِ: وَهُوَ آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ۔

حوالہ :

(۱) المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، العلامۃ أحمد بن محمد القسطلانی، المتوفی:۹۲۳ھ، جلد اول، صفحہ:۸۱، مطبوع: مرکز اہلسنت برکات رضا، پوربندر

(۲) الخصائص الکبری، مصنف: الشیخ امام علامہ جلال الدین السیوطی، المتوفی: ۹۱۱ھ

جلد ا، ص ٦، ناشر: مرکز اہلسنت برکات رضا، پوربندر، گجرات۔

ترجمہ :

" فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی، تو حضرت آدم نے عرض کی اے رب! میں حضرت محمد کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہنچانا؟ حالاں کہ میں نے اسے ابھی پیدا نہیں کیا، حضرت آدم نے عرض کی کہ اے میرے رب! اس طرح کہ جب تو نے مجھے پیدا کیا اور میرے اندر اپنی روح پھونکی، تو میں نے اپنا سر اٹھا کر عرش پر لکھا دیکھا **لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ** تو میں نے جان لیا کہ تو نے مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تو نے سچ کہا بے شک وہ تمام مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ پیارا ہے، اور جب تو نے اس کے وسیلے سے مجھ سے سوال کیا ہے تو میں نے تجھے معاف فرما دیا ہے، اگر محمد نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔"

اس حدیث کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے حوالے سے روایت کیا، عبدالرحمٰن اس میں منفرد ہیں، نیز حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کیا ہے۔ اور کہا کہ حدیث صحیح ہے۔ نیز امام طبرانی نے معجم اوسط میں اس حدیث کو روایت کیا اور اپنی بیان کردہ روایت میں اتنے الفاظ زیادہ روایت کیے ہیں: وھو آخر الانبیاء من ذریتک یعنی وہ تیری ذریت (نسل) سے آخری نبی ہوں گے۔

انصاف کریں ...... انصاف کریں ...... انصاف کریں ......

حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ حضور اقدس ﷺ کے وسیلے سے قبول ہوئی، اس حقیقت کے ثبوت میں ہم نے چھ حوالے ایسی معتبر کتابوں سے دیے ہیں کہ منافقین زمانہ اس کو رد کرنے

کی قیامت تک ہمت اور طاقت نہیں رکھتے، صرف اور صرف ان پڑھ اور بھولے بھالے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر: ۳۷ ﴿فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ط﴾ لکھ کر اس کے ضمن میں بھی تفسیر یا حدیث کی کتاب کے حوالے اور ثبوت کے بغیر اپنی طرف سے کھلم کھلا جھوٹ لکھ دیا کہ معاذ اللہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ حضور اقدس ﷺ کے وسیلے سے قبول نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں دھوکہ دینے کی غرض سے پارہ نمبر ۸ سورۂ اعراف کی آیت نمبر: ۲۳ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ o﴾ پیش کر کے غلط مطلب نکالنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے باطل دعویٰ کو سچ بتانے کے لیے پہلے سورۂ بقرہ پارہ نمبر ۱ کی آیت نمبر ۳۰ پیش کر کے سیدھے جمپ لگا کر آٹھوے پارہ کی سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۲۳ پر پہنچ گئے، اور دونوں آیتوں میں ربط بتانے کی حرکت کر کے صرف اپنے باطل اور من چاہے فاسد خیالات لکھ دیے کہ معاذ اللہ حضرت آدم کی توبہ حضور اقدس ﷺ کے وسیلے سے مقبول نہیں ہوئی۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ کا ذکر قرآن مجید کی جس آیت یعنی پارہ نمبر ۱، سورۂ بقرہ آیت نمبر: ۳۷ ﴿فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ط﴾ میں ہے، اس کے ضمن میں ہم نے قرآن مجید کی معتبر تفسیروں اور حدیث کی کتابوں کے جو حوالے پیش کیے ہیں، ان کو انصاف کے ترازو کے ایک پلے میں رکھیں اور دوسرے پلے میں گستاخ رسول کے بغیر کسی کتاب کے حوالے کے جھوٹے اور باطل نظریات کو رکھیں اور خود ہی انصاف فرمائیں کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے؟

انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر معاذ اللہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ بغیر وسیلے کے مقبول ہوئی ہے، تو اس کا ثبوت معتبر تفسیر کی کتابوں کی اصل عربی عبارتیں، صفحہ نمبر اور دیگر ضروری تفصیل کے ساتھ پیش کرنا چاہیئے، لیکن **"قرآنی درس توحید"** کے مصنف نے ان تمام باتوں سے منہ موڑ کر صرف اپنی من چاہی رائے اور اپنا باطل نظریہ لکھ دیا ہے۔

عظمت رسول گھٹانے کے لیے قرآن کی آیت کا غلط مفہوم بتانا

وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت کا دستور بلکہ اصل مقصد انبیاء اور اولیاء اور خاص کر سید الانبیاء حضور اقدس ﷺ کی شان گھٹانا ہے اور اپنے اس ناپاک مقصد کو پورا کرنے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے وہ ہمیشہ قرآن مجید کی مقدس آیتوں کے غلط تراجم، مفہوم، مقصد اور مراد بتاتے ہیں، آیت کس حکم کے لیے، کس کے حق میں، کس مقصد اور مراد کے لیے، کس مفہوم اور مطلب میں نازل ہوئی ہوتی ہے، تفسیر اور حدیث میں کیا شان نزول اور معنی ہوتے ہیں، لیکن یہ لوگ کیا کا کیا مطلب اور مفہوم بتاتے ہیں اور اس کے لیے وہ ہمیشہ سفید جھوٹ بلکہ کالا اور ٹیکنی کلر جھوٹ بولنے میں کسی بھی قسم کی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر :

قرآنی درس توحید (ہندی) کے صفحہ نمبر ۳۸ پر صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ :

دوسرا ظلم اس روایت میں یہ ہے کہ کائنات کی پیدائش کا مقصد نبی کریم ﷺ کی ذات کو ٹھہرایا گیا ہے، حالاں کہ قرآن فرماتا ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ﴾ (سورۂ ذاریات، پارہ نمبر:۲۷، آیت نمبر:۵۶)

ترجمہ: میں نے نہیں پیدا کیا جن وانس کو مگر اپنی بندگی کے لیے۔

ثابت ہوا کہ کائنات کی پیدائش کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے، نہ کہ ذات نبی کریم ﷺ، خود نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

اس عبارت کو صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ غور سے پڑھیں، آپ کے سامنے مصنف کی دھوکہ بازی بالکل بے پردہ سامنے آجائے گی:

- سورۂ ذاریات کی آیت نمبر:۵۶ میں صرف انسانوں اور جنات کی پیدائش کا مقصد بیان کیا گیا، کہ اللہ نے انسانوں اور جناتوں کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔
- لیکن مصنف نے انسان اور جن یعنی پوری مخلوق میں سے صرف دو کے ذکر کی آیت کو پوری مخلوق پر چسپاں کر کے آیت اور آیت کا ترجمہ لکھنے کے بعد آیت کا مفہوم اور مقصد لکھنے میں خیانت (بے ایمانی) کرتے ہوئے لکھ دیا کہ "**ثابت ہوا کہ کائنات کی پیدائش کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے**" یعنی مصنف نے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے آیت کے مفہوم کو بدل دیا، انسان اور جنات دو قسم کی ذات کی پیدائش کا جو مقصد ہے، صرف ان دو کے بجائے پوری کائنات کی پیدائش کا مقصد بتا دیا۔
- سورۂ ذاریات کی مذکورہ آیت نمبر:۵۶ کو آپ بغور ملاحظہ فرمائیں، بلکہ اس آیت کے ہر لفظ اور حرف کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھیں، آیت میں کہیں بھی مخلوق یا کائنات کا لفظ نہیں، اور نہ ہی اس آیت میں کوئی ایسا جملہ یا لفظ ہے جس کا معنی ایسا ہو، جس سے ہم کائنات مراد لے سکیں۔
- صرف انسان اور جنات کو اللہ کی بندگی کے لیے پیدا کیے جانے والے مطلب کی آیت کو مصنف نے پوری کائنات پر چسپاں کر کے قرآن مجید کی کئی آیتوں کے مفہوم اور مطلب کو جھٹلایا ہے۔

مثال کے طور پر قرآن میں ہے کہ:

"اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ O وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا يَاْكُلُوْنَ O" (پارہ ۲۳، سورۂ یٰسین، آیت:۷۱ اور ۷۲)

ترجمہ :

"اور کیا انھوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے چوپائے ان کے لیے پیدا کیے، تو یہ ان کے مالک ہیں اور انھیں ان کے لیے نرم کر دیا، تو کسی پر سوار ہوتے اور کسی کو کھاتے ہیں۔" (کنز الایمان)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے چار پاؤں والے جانور انسانوں کے لیے پیدا کیے ہیں، لیکن ''قرآنی درس توحید'' کتاب کا دھوکہ باز وہابی مصنف لکھتا ہے کہ پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

- قرآن مجید میں کئی آیتیں ایسی ہیں کہ جن میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ہم نے ان کو اس مقصد کے لیے بنایا ہے۔ ان میں کہیں بھی اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کرنے کا مقصد نہیں بتایا گیا، یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ ان تمام آیتوں کو عربی متن اور ترجمہ کے ساتھ نقل کریں۔

قارئین کرام کی علمی معلومات میں اضافہ کرنے کی نیک نیت سے یہاں صرف پانچ آیتوں کی نشان دہی کر دیتے ہیں:

(۱) پارہ نمبر ۱، سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۲۹

''اللہ نے تمھارے لیے یعنی تمھارے فائدے اور استعمال کے لیے جو کچھ زمین میں ہے اسے بنایا ہے۔''

(۲) پارہ نمبر ۴، سورۂ آل عمران، آیت نمبر ۱۹۰

''آسمان اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کی باہم بدلیوں میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

(۳) پارہ نمبر:۱۴، سورۂ نحل، آیت نمبر:۸۱

''اللہ نے تمھارے لیے پہاڑ بنائے، گرمی سے بچنے اور لڑائی سے حفاظت کے لیے پہناوے (پہننے کے لباس) بنائے۔''

(۴) پارہ نمبر ۲۰، سورۂ نمل، آیت نمبر ۶۰

''تمھارے لیے آسمان سے پانی اتارا۔''

(۵) پارہ نمبر ۲۳، سورۂ یٰسین، آیت نمبر:۴۲

''ان کے لیے کشتیاں بنائی۔''

ان آیتوں میں مختلف چیزوں کا جو کائنات کا اہم حصہ ہیں، یعنی آسمان، زمین، رات، دن، پہاڑ، پانی، کپڑے، کشتیاں اور جو کچھ بھی زمین میں ان سب کو بنانے اور پیدا کرنے کا ذکر ہے، لیکن کہیں بھی یہ نہیں فرمایا گیا کہ ہم نے ان سب چیزوں کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔

لیکن !!!

دھوکہ باز مصنف قرآن کے خلاف اپنی رائے اور نظریہ لکھتا ہے کہ ان سب کو اللہ کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

- کائنات کی پیدائش کا مقصد صرف اللہ کی بندگی لکھنے کا مصنف کا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم حضور اقدس ﷺ کی شان اور عظمت گھٹانا ہے، کیوں کہ مصنف نے جو جملہ لکھا ہے وہ اس طرح ہے:

''کائنات کی پیدائش کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے نہ کہ ذات نبی ﷺ''

اس جملہ کا صاف مطلب ہے کہ پوری کائنات صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہے۔ اللہ نے اس کائنات کو حضور اقدس، رحمت عالم ﷺ کے لیے نہیں بنائی۔

یہ جملہ کیوں لکھا؟

اس لیے کہ منافقین زمانہ کا عقیدہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ ہمارے جیسے بشر ہیں بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ معاذ اللہ عاجز بندے اور ہمارے بھائی ہیں۔ مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے۔ (دیکھو: تقویۃ الایمان، مؤلف: مولوی اسماعیل دہلوی، صفحہ نمبر:۹۹، ناشر: دار السلفیہ، ممبئی)

جب ان منافقوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی ہماری طرح اور عاجز یعنی لاچر، کمزور مجبور بندے ہیں تو اگر یہ بات مان لی گئی کہ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کے لیے پیدا فرمایا ہے تو اس

بات کو مان لینے سے نبی کریم کا مرتبہ بہت ہی بڑا اور عظیم ثابت ہوگا ، اور نبی کریم کی عظمت اور بلندیٔ شان ان منافقوں کے لیے نا قابل برداشت ہے، **کیوں کہ ان کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی توحید کی آڑ میں اللہ کے پیارے محبوب کی توہین کرنا ہے**، لہٰذا سورۂ ذاریات کی آیت نمبر ۵۸ جو صرف دو مخلوق یعنی انسان اور جنات کے تعلق سے ہی تھی ، اور جس آیت میں صرف انسان اور جنات کی پیدائش کا مقصد اللہ کی بندگی بتایا گیا ہے، اس آیت کو پیش کر کے اس آیت کا من چاہا مفہوم اور مطلب یہ لکھ دیا کہ:

"خود نبی کریم کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔"

حوالہ : قرآنی درس توحید، صفحہ نمبر: ۳۸

یہ جملہ بھی حضور اقدس کی شان عظمت گھٹانے کے فاسد ارادے سے ہی لکھا گیا ہے۔ یعنی پہلے انسان و جنات کے لیے لکھا، پھر پوری کائنات کے لیے لکھا کہ کائنات کی پیدائش کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے، سب سے آخر میں حضور اقدس کے متعلق لکھ دیا کہ حضور کو بھی اللہ کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب قرآنی درس توحید کا منافق مصنف حضور اقدس رحمت عالم کی پیدائش کو بالکل اہمیت نہیں دینا چاہتا، بلکہ جس طرح اور جس مقصد کے لیے عام انسان، جنات اور پوری کائنات پیدا کی گئی ہے، اسی مقصد کے لیے ہی حضور اقدس کو پیدا کیا گیا، یعنی مصنف حضور اقدس کی ولادت با سعادت کو ایک عام انسان کی پیدائش کی طرح شمار کر رہا ہے۔ حالاں کہ حضور اقدس کی ولادت باسعادت کے صدقہ میں پوری کائنات وجود میں آئی ہے۔ اس حقیقت کا انکار کرنے کے لیے بے جوڑ، بے ربط، بے مطلب اور بے موقع دلیل قائم کرنے کے لیے انسان اور جنات کی پیدائش کا مقصد بیان فرمانے والی سورۂ ذاریات کی آیت نمبر: ۵۶ نقل کر کے اُس کے ضمن میں بغیر کسی معتبر تفسیر یا حدیث کی کتاب کے حوالے کے اپنی فاسد رائے لکھ دی کہ کائنات کی پیدائش کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے، اور پھر یہاں تک لکھ دیا کہ حضور اقدس کو بھی اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ :

وہ جو نہ تھے ، تو کچھ نہ تھا
وہ جو نہ ہوں ، تو کچھ نہ ہو

حضور اقدس، رحمت عالم کی پیدائش کا عنوان اتنا وسیع ہے کہ صرف اسی ایک عنوان کے لیے ضخیم کتاب درکار ہے۔ مختصر یہ کہ حضور اقدس کی ذاتِ گرامی عام انسانوں کی طرح نہیں، بلکہ حضور اقدس کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بے مثل و مثال بنایا ہے کہ آپ جیسا نہ کوئی ہوا ہے، نہ کبھی ہوگا، کیوں کہ:

- اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے حضور کے نور کو بنایا ہے۔
- حضور کے نور سے عرش، لوح، قلم، زمین، آسمان، جنت، حور، انسان، فرشتے بلکہ پوری کائنات پیدا کی گئی ہے۔
- حدیث قدسی میں تو یہاں تک ذکر ہے کہ اگر حضور کو پیدا کرنا منظور نہ ہوتا، تو اللہ تعالیٰ اپنا رب ہونا ظاہر نہ فرماتا۔

مندرجہ بالا حقیقت کے ثبوت میں معتبر کتابوں کے چند حوالے پیش خدمت ہیں۔

حدیث شریف :

امام اجل سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور سیدنا امام احمد بن حنبل کے استاد اور امام بخاری و امام مسلم کے استاد کے استاد یعنی حافظ الاحادیث، محدث عبد الرزاق بن ہمام نے اپنی مشہور کتاب "مُصَنَّف" میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ:

"قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِيْ اَنْتَ وَ اُمِّيْ اَخْبِرْنِيْ عَنْ اَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَبْلَ الْاَشْيَاءِ O قَالَ يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ"

ترجمہ :

''حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ، مجھے بتائیے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کیا چیز بنائی، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اے جابر! بے شک بالیقین ، اللہ نے تمام مخلوق سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔''

حوالہ :

اس حدیث کو جلیل القدر ائمہ ملت اسلامیہ نے اپنی معرکۃ الآراء اور معتمد و مستند کتابوں میں صحیح اسناد سے روایت کیا۔اس حدیث کو حسن، صالح، مقبول اور معتمد کہا ہے، مثال کے طور پر:

(۱) امام ابوبکر حسین بیہقی شافعی نے ''**دلائل النبوۃ**'' میں۔

(۲) امام احمد بن محمد قسطلانی نے ''**المواہب اللدنیۃ**'' میں۔

(۳) امام ابوفضل، شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی مکی نے ''**افضل القراء**'' میں

(۴) امام علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی نے ''**شرح مواہب اللدنیہ**'' میں۔

(۵) علامہ حسین بن محمد بن حسن دریا بکری نے ''**الخمیس فی احوال النفیس**'' میں۔

(۶) علامہ فاسی نے ''**مطالع المسرات**'' میں۔

(۷) شیخ محقق، شاہ محمد عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی نے ''**مدارج النبوۃ**'' میں نقل کیا ہے۔

(۸) ''**صلاۃ الصفاء فی نور المصطفیٰ**''، مصنف: امام احمد رضا محقق بریلوی، صفحہ نمبر:۳۰

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کا نور اللہ کے نور سے بنا ہے۔اب وہ حدیث دیکھیں کہ حضور اقدس کے نور سے پوری کائنات بنی ہے۔

حدیث :

امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ، جان عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ :

''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ وَ مِنْ نُوْرِیْ خَلَقَ جَمِیْعَ الْکَائِنَاتِ''

حوالہ : ''**بیان المیلاد النبوی**'' (عربی) صفحہ:۲۴

ترجمہ :

''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا، پھر میرے نور سے تمام کائنات کو پیدا کیا۔''

حدیث قدسی :

اب یہاں ایک حدیث قدسی پیش کی جا رہی ہے، جس کو پڑھ کر ہر مومن کا ایمان تازہ ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کا نور اس لیے پیدا فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

''كُنْتُ كَنْزًا مُّخْفِيًّا فَاحببْتُ اَنْ اُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ''

حوالہ : ''**جواہر البحار فی فضائل النبی المختار**''، از: الشیخ امام یوسف ابن اسماعیل نبہانی، جلد ۴، صفحہ: ۲۵۷، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت-لبنان

ترجمہ :

''میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، پس مجھے اس امر سے محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں، تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔''

حدیث کی شرح :

اس حدیث کی شرح میں امام عبدالکریم جیلانی شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا، تب یہ بات اللہ کے علم میں تھی کہ حادث (ختم ہونے

والی) ہونے کی وجہ سے مخلوق میری ذات کی معرفت حاصل نہ کر سکے گی اور مخلوق کو جس محبت کی وجہ سے پیدا کی گئی ہے، اس کا تقاضا یہی کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے۔ لہٰذا :

"فَخَلَقَ مِنْ تِلْكَ الْمَحَبَّةِ حَبِيْبًا اِخْتَصَّهُ لِتَجَلِّيَاتِ ذَاتِهٖ، وَ خَلَقَ الْعَالَمَ مِنْ ذَالِكَ الْحَبِيْبِ لِتَصِحَّ النِّسْبَةِ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ خَلْقِهٖ فَيَعْرِفُوْهُ بِتِلْكَ النِّسْيَةِ، فَالْعَالَمُ مَظْهَرُ تَجَلِّيَاتِ الصِّفَاتِ وَ الْحَبِيْبُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَظْهَرُ تَجَلِّيَاتِ الذَّاتِ"

حوالہ : جواہر البحار فی فضائل النبی المختار، از: الشیخ امام یوسف بن اسماعیل، نبہانی،
جلد: ۱، صفحہ: ۲۶۲ و ۲۶۳، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت-لبنان

ترجمہ :

"پس اس نے اس محبت سے اپنے حبیب کو پیدا فرمایا اور اپنے حبیب کو اپنی ذات کی تجلیوں کے فیض سے مخصوص فرمایا اور تمام عالم کو اپنے حبیب سے پیدا فرمایا، تاکہ وہ حبیب خالق اور مخلوق کے درمیان نسبت بن جائے اور مخلوق اس حبیب کی نسبت سے اپنے خالق کی معرفت پا سکے، پس عالم اللہ کی صفتوں کی تجلیوں کا مظہر (جلوہ) ہے اور حبیب ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلیوں کا مظہر (جلوہ) ہے۔"

حدیث قدسی :

تفسیر روح البیان کے مصنف حضرت شیخ اسماعیل حقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس رحمت عالم ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام نبی الرحمۃ ہے۔ کیوں آپ رحمت کے سبب ہیں اور آپ کی رحمت سے یہ، بھی ہے کہ آپ مخلوق کے وجود کا سبب ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ کو پیدا کرنا منظور نہ ہوتا، تو میں آسمانوں کو نہ بناتا۔

"وَ هُوَ الْوُجُوْدُ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ ط وَفِىْ كِتَابَ الْبُرْهَانِ

لِلْكِرْمَانِىْ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْكَائِنَاتِ ط خَاطَبَ اللّٰهُ النَّبِىَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْقَوْلِ – وَ مِنْ جَوَاهِرِ الشَّيْخِ اِسْمَاعِيْل حَقِّىْ اَيْضًا رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ"

حوالہ : جواہر البحار فی فضائل النبی المختار، از: الشیخ امام یوسف بن اسماعیل نبہانی،
جلد: ۲، صفحہ: ۲۵۴، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت-لبنان

ترجمہ :

"اور وہ وجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر آپ کو پیدا کرنا منظور نہ ہوتا، تو میں آسمانوں کو نہ بناتا، اور امام کرمانی کی کتاب البرہان میں اس طرح روایت ہے کہ اے محبوب! اگر آپ کو پیدا کرنا منظور نہ ہوتا، تو میں کائنات کو نہ بناتا، اللہ تعالیٰ نے اس قول سے نبی کریم ﷺ کو مخاطب فرمایا، اور اسی طرح کی روایت حضرت شیخ اسماعیل حقی کی کتاب جواہر میں ہے۔"

آخری بات

■ قرآنی درس توحید کے گستاخ مصنف نے اپنی کتاب (ہندی نسخہ) کے صفحہ نمبر ۳۶ سے ۳۸ تک غلط بیانی کے ذریعہ یہ بات ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ:

(معاذ اللہ)، **"حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ حضور اقدس ﷺ کے صدقہ میں اور وسیلے سے قبول نہیں ہوئی ہے۔"**

لیکن ...

الحمد للہ ہم نے (۱) تفسیر روح البیان (۲) تفسیر روح المعانی (۳) تفسیر قرطبی (۴) مستدرک علی الصحیحین (۵) المواہب اللدنیہ (۶) الخصائص الکبریٰ کے حوالوں سے روز روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ :

- بے شک حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ حضور اقدس ﷺ کے صدقہ میں اور آپ کے ہی وسیلے سے قبول ہوئی ہے۔

- اسی طرح قرآنی درس توحید کے صفحہ نمبر: ۳۸ سے ۳۹ تک قرآن مجید میں پارہ نمبر: ۲۷ سورۂ ذاریات کی آیت نمبر: ۵۶ سے غلط دلیل پکڑ کر اور اس آیت کا من چاہا مطلب ومفہوم بیان کرکے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہاں تک لکھ دیا کہ:

- (معاذ اللہ)، **''حضور اقدس ﷺ کی پیدائش عام مخلوق کی طرح صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے ہوئی ہے۔''**

لیکن ....

الحمدللہ، ہم نے قرآن مجید کی کئی آیتوں، حدیث اور سیرت کی کئی معتبر کتابوں کے حوالے سے ثابت کردیا ہے کہ:

- حضور اقدس کی پیدائش اللہ کے نور سے ہوئی ہے۔
- حضور اقدس کے نور سے پوری کائنات بنی ہے۔
- حضور اقدس کو پیدا فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا اظہار فرمایا ہے۔
- اگر حضور اقدس نہ ہوتے تو کائنات کا وجود ہی نہ ہوتا، بلکہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی حاصل نہ ہوتی۔

خبردار! ہوشیار رہو

دورِ حاضر کے منافقین کم پڑھے لکھے لوگوں کو گمراہ کرنے کی فاسد نیت سے اپنی بدعقیدگی کے ثبوت میں اور بارگاہ رسالت ﷺ میں گستاخی کرنے کی غرض سے بے محل اور بے موقع قرآن مجید کی کوئی آیت یا حدیث عربی متن کے ساتھ لکھ دیتے ہیں اور پھر اس آیت یا حدیث کا من چاہا ترجمہ لکھ کر اس کے ضمن میں غلط تشریح لکھ کر سراسر جھوٹے مفہوم اور مطلب لکھ دیتے ہیں۔ کم پڑھا لکھا مسلمان عربی عبارت

کے ساتھ پیش کی گئی قرآن کی آیت اور حدیث کو دیکھ کر مرعوب ہوجاتا ہے۔ منافقین قرآن اور حدیث کے نام پر حسین دھوکہ دے کر اسے گمراہ کردیتے ہیں، دن دہاڑے اس کا انمول ایمان لوٹ لیتے ہیں۔

لہٰذا، اس خطرناک سازش سے بچنے کا صرف یہی راستہ ہے کہ ایسی گمراہ کرنے والی کتابوں کو ہرگز نہ پڑھیں اور اتفاقیہ ایسی کوئی کتاب کوئی دے یا بھیجے، تو اس کو پڑھنے سے پہلے کسی سنی صحیح العقیدہ عالم کو دکھا دیں اور سنی عالم سے اس کتاب کا رد اچھی طرح سمجھ لیں اور اپنے ایمان کو لٹنے سے بچالیں۔

قرآنی درس توحید کتاب ایسے خطرناک انداز سے لکھی گئی ہے کہ اگر اس میں پیش کی گئی دلیلوں کی سچی حقیقت کیا ہے؟ اس امر کو کسی سنی صحیح العقیدہ عالم سے سمجھے بغیر، کتاب کو پڑھ کر بھروسہ کرلیا گیا، تو یہ کتاب ایمان کو ہلاک کرنے کے لیے زہر قاتل جیسی خطرناک کتاب ہے۔

اس کتاب کی چند گمراہ کرنے والی باتوں کا ہم نے رد لکھا، تو اتنی موٹی کتاب وجود میں آگئی، اگر اس پوری کتاب کا بالاستیعاب رد لکھا جائے تو کئی ضخیم کتابیں تیار ہوسکتی ہیں، طول تحریر کے اندیشہ سے ہم نے انھیں چند باتوں کے جواب پر ہی اکتفاء کیا ہے۔

قرآنی درس توحید کتاب میں شرک کے فتووں کی اتنی کثرت سے گولا باری کی گئی ہے کہ شرک کی مشین گن سے زخمی ہونے سے شاید ہی کوئی بچے، اس کتاب میں ان جائز بلکہ مستحب کاموں کو بھی شرک اور بدعت کہا گیا ہے جو صدیوں سے ملت اسلامیہ میں رائج تھے اور جن کاموں کو جلیل القدر صحابہ، اولیاء، صلحاء، علماء اور مشائخ نے کیا، جائز کہا، لکھا بلکہ اپنے معتقدین اور اپنے حلقہ کے لوگوں کو ان کاموں کے کرنے کی نصیحت اور تلقین فرمائی۔

قرآنی درس توحید کتاب میں:

اللہ کے نیک بندوں کے وسیلے سے دعا مانگنا، انبیاء اور اولیاء سے مدد مانگنا، انبیاء اور اولیاء کو پکارنا، انبیاء اور اولیاء کی صورت کا تصور کرنا، انبیاء اور اولیاء کے لیے علم غیب ماننا، حضور اقدس ﷺ کو حاضر ناظر ماننا، وغیرہ کو صاف لفظوں میں شرک لکھا ہے۔

علاوہ ازیں عید میلاد منانا، عید میلاد کے دن جلوس نکالنا، حضور اقدس ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چومنا، کھڑے ہوکر صلاۃ وسلام پڑھنا، وغیرہ کاموں کو ناجائز حرام یا بدعت لکھا ہے۔

مذکورہ کام میں جن کاموں کو قرآنی درس توحید میں شرک یا حرام یا ناجائز لکھا ہے، ان کاموں کو شرک حرام یا ناجائز ثابت کرنے کے لیے بے محل اور بے موقع قرآن کی آیتیں اور حدیثوں کی عربی عبارتیں نقل کر کے اس کے من چاہے ترجمہ لکھ کر پھر اس کے ضمن میں غلط تشریح، توضیح، تاویل اور پھر جھوٹے مفہوم اور مطلب لکھ کر گمراہیت پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔

منافقین کا اصل مقصد انبیاء اور اولیاء کی بارگاہ میں گستاخی کرنا اور شان گھٹانا ہے، لہذا جن کاموں کے کرنے سے انبیاء اور اولیاء کی عظمتِ شان ظاہر ہوتی ہے، ان تمام کاموں کو منافقین زمانہ شرک، بدعت یا حرام کہہ دیتے ہیں، اور اپنے اس فاسد مقصد کے لیے ہمیشہ توحید کا سہارا لیتے ہیں بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اپنے آپ توحید کے ٹھیکیدار بن جاتے ہیں، **"یہ کام اللہ تعالیٰ کی توحید کے خلاف ہے، لہذا شرک ہے"**، کا نعرہ ان منافقوں کو گھٹی میں پلا دیا جاتا ہے۔

جن کو توحید کے "ت" اور شرک کے "ش" کی بھی معلومات نہیں، ایسے جاہل تبلیغی جماعت کے مبلغ اپنے ہاتھوں میں شرک کے فتووں کی مشین گن تھام لیتے ہیں، اور انبیاء و اولیاء کی عقیدت ومحبت میں کیے جانے والے شرعاً جائز بلکہ مستحب کاموں پر بھی بڑی بے دردی اور بے رحمی سے شرک کے فتووں کی بوچھار کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی حفاظت کرنے کا فخر کرتے ہیں۔

منافقین نے توحید کا مطلب محبوب خدا کی شان میں توہین کرنا بنا رکھا ہے، بلکہ انبیاء اور اولیاء کی شان میں گستاخی اور توہین کرنا ہی منافقوں کی توحید کا اصل مقصد ہے، بات بات میں توحید الٰہی کا جھنڈا بلند کرتے ہیں، جہاں کہیں بھی کسی نے نبی یا ولی کی عظمت کی بات کہی، فوراً ہی منافق چیخ اٹھتا ہے۔ غضب کر دیا توحید الٰہی کی خلاف ورزی کر دی، شرک ہوگیا، شرک ہوگیا، شرک، شرک، شرک۔

لیکن.....

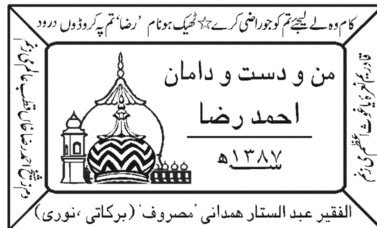
ان منافقوں کی توحید کی پاسداری میں شرک کے خطرے کی گھنٹی بجانے کی حرکت صرف انبیاء اور اولیاء کے معاملہ تک ہی محدود ہوتی ہے، کیوں جب ان منافقوں کے پیشواؤں اور ملاؤں کا معاملہ ہوتا ہے، تب توحید اور شرک کی تمام اصطلاح اور قانون بھول جاتے ہیں، جن باتوں کے لیے اور جن کاموں کے لیے انبیاء اور اولیاء کے معاملہ میں بھیانک شرک کے فتوے مارے تھے وہ ساری باتیں اور کام اپنے پیشواؤں کے معاملہ میں شرک نہیں بلکہ کرامت بن گئے۔

منافقین کا یہ متضاد نظریہ Double Policy اب کوئی چھپی بات نہیں بلکہ ایک کھلی حقیقت ہے، جو ان کے مکتبہ سے چھپی ہوئی ان کے ہی پیشواؤں کی کتابوں سے ثابت ہے۔

قرآنی درس توحید کے جواب کی پہلی قسط بنام "توحید کا اجالا شرک کا اندھیرا" کو ہم یہاں پر اختتام کی منزل پر پہونچاتے ہیں، اور وہابی تبلیغی جماعت کے نام نہاد توحید کی حقیقت روز روشن کے آفتاب کی طرح عیاں کرنے کے لیے قسط نمبر: ۲ بنام **"توحید کے ٹھیکیدار خود شرک میں گرفتار"** کا آغاز کر رہے ہیں، جو الگ کتاب کی شکل میں شائع ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم ﷺ کے صدقہ اور طفیل میں ہر مومن کا ایمان سلامت رکھے اور منافقوں کی دھوکہ بازی اور ہتھکنڈوں سے حفاظت فرمائیں۔

طالب دعا



پوربندر:۔

۱۲؍ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ

بروز شنبہ

مطابق ۱۹، اپریل ۲۰۰۸ء

علم کا خزانہ، آپ کے ہاتھ میں !!!

ہاں! یہ حقیقت ہے، کیونکہ فرقہ باطلہ ضالہ غیر مقلدین (اہلحدیث) کے بانی ابن تیمیہ کے عقائد باطلہ اور اس کی شانِ رسالت مآب ﷺ کی گستاخیاں نیز اہل بیت اطہار کی شان میں بے ادبیوں کا پردہ چاک کر کے اس کا مدلل رد اور جو علمی محاسبہ کیا گیا ہے، وہ آپ کو دوسری کتابوں میں شاید ہی پڑھنے کو ملے۔

لہٰذا، آج ہی ایک علمی اور انمول خزانہ حاصل کرنے میں جلدی فرمائیں۔

''ابن تیمیہ کی گستاخیاں''

(ڈاکٹر سید محمود سید صبیح کی عربی کتاب ''اخطاء ابن تیمیہ'' کا اردو ترجمہ)

مترجم:- فاضل نوجواں، عالم ذیشان حضرت علامہ محمد ناظم علی رضوی مصباحی - مبارکپور

ہدیہ:- Rs: 350/- (علاوہ ڈاک خرچ)

-: ناشر :-

Markaz-e-Ahle Sunnat Barkaat-e-Raza

Imam Ahmad Raza Road, Porbandar (Gujrat-india)

Mob : 9879303557

انمول تحفہ !!!

- تقریباً ۸۵۰، سال پہلے لکھی گئی عربی کتاب کا اردو ترجمہ
- صدر الائمہ، امام **موفق بن احمد مکی** (المتوفی ۸۷۵ھ)
  کی عربی تصنیف **''المناقب الامام الاعظم''** کا اردو ترجمہ
- اردو مترجم:- حضرت علامہ **فیض احمد اویسی بہاولپوری**
- اس کتاب میں فرقہ باطلہ ضالہ اہلحدیث (غیر مقلدین) کے الزامات کا دندان شکن جواب دیا گیا ہے۔
- اہلحدیث فرقہ کے لوگ یہ الزام لگاتے ہیں کہ معاذ اللہ امام اعظم کو صرف سترہ ۱۷ احادیث ہی یاد تھیں۔ لیکن اس کتاب میں امام اعظم کی تبحر علمی اور خاص کر علم حدیث کی حیرت انگیز مہارت پڑھ کر آپ عش عش پکار اٹھیں گے۔

آج ہی طلب فرمائیں

''مناقب امام اعظم'' (اردو)

-: ناشر :-

Markaz-e-Ahle Sunnat Barkaat-e-Raza

Imam Ahmad Raza Road, Porbandar (Gujrat-india) Mob : 9879303557